سلسلہ آصفیہ

نمبر ۳

دیوانِ دردِ اردو

یعنی

بلبل ہندوستان حضرت خواجہ میر درد دہلوی کا کلام معجز نظام

خاص صحت و اہتمام کے ساتھ

مطبع نظامی بدایوں (صوبہ متحدہ) میں چھپا

سنہ ۱۹۲۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ دیوان درد

کوئی درد آشنا کہہ گیا ہے ؎

	اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار		زیک ساغر دریں بزم اند سرمست
	ولے با بادۂ بعض حریفاں		فریبِ چشمِ ساقی نیز پیوست
✓	مشو مُنکر کہ در اشعارِ ایں قوم		ورائے شاعری چیزے دگر ہست

خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمتہ کے دم قدم سے "ورائے شاعری" مضامین سے اُردو ادب فیضیاب ہوا۔ ؎

	یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا		ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!

عموماً اُردو شاعری کا سرمایۂ ناز حُسنِ ظاہر کے انداز ہیں۔ جن میں حُسنِ بیان نے چار چاند لگا دئے ہیں۔ خواجہ صاحب کی چشمِ حق بین جمالِ حقیقی کے جلوؤں سے منوّر تھی۔ وہی نور اون کے کلام میں تاباں ہے۔ میر تقی میرؔ لکھتے ہیں۔ "گلچینِ خیال اور اگلِ معنی دامن دامن"۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ صاحب کے کلام کا پایہ عام شاعری سے بالاتر ہے۔

ادبِ اُردو سید راس مسعود صاحب کے خاندان کی سرپرستی کا برسوں سے منّت پذیر ہے۔ سر سید نے اُردو نثر کو "بیان مطالب" کی قوت بخشی۔ نکتہ شناس "پوتے" نے نظمِ اُردو کی خدمت کی۔ "انتخاب زرّیں" کی اشاعت سے اُردو نظم کا نام روشن کیا۔ سونے میں سہاگہ ڈالا۔ اساتذۂ اُردو کے دواوین خوبی۔ خوش اسلوبی سے شائع کرنے کا اہتمام کیا۔

اوسی سلسلے کی ایک کڑی - "دیوان درد" بھی ہے - شروانی دہقانی مقدمہ نگاری پر مامور ہے
عین سعادت کہ خواجہ صاحب کی بزمِ ادب میں باریابی کا ذریعہ ہاتھ آیا - ع
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

خواجہ صاحب کے حالات

نام خواجہ میر - درد [۱] تخلص - صحیح النسب حسینی سید ہیں -
آبائی سلسلہ بارھویں پشت میں خواجہ بزرگ بہاؤالدین
نقشبندی قدس سرہٗ سے اور چھبیسویں پشت میں حضرت امام عسکری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے
مادری سلسلۂ نسب حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے - خواجہ صاحب کے والد کی
والدہ بھی حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھیں - والد کا نام خواجہ ناصر - عندلیب تخلص
نانا میر سید محمد - حسنی تھے - جو بیٹے تھے نواب میر احمد خاں شہید کے - نواب صاحب پانی پت
کے معرکہ میں نادرشاہ کے مقابلے میں شہید ہوئے - جہانکشائے نادری میں اون کا ذکر ہے -
میرزا رفیع سودا کے ممدوح تھے - خواجہ صاحب کے نسب کے بیان میں تذکرہ نویسوں نے فاش
غلطیاں کی ہیں - ہمارا بیان خواجہ صاحب کے علم الکتاب سے ماخوذ ہے - مسکن پرانی دلی میں تھا -
اوسی محلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بھی سکونت تھی - "اجڑے دیار" کی آبادی و مردم خیزی - اللہ اکبر!
خواجہ ناصر صاحب کے والد بخارا سے تحصیل علم کے بعد عہدِ عالمگیری میں واردِ ہندوستان ہوئے
تھے -

---

[۱] اس تخلص میں ایک خاص لطف ہے - حضرت شاہ گلشن حضرت شاہ محمد وحدت
گل کے مرید تھے - اب شجرۂ تخلص ملاحظہ ہو -

شاہ محمد وحدت -	گل
حضرت شاہ سعد اللہ -	گلشن
خواجہ محمد ناصر صاحب -	عندلیب
خواجہ میر صاحب -	درد
خواجہ محمد میر صاحب -	اثر

دیکھو "گل" کی جلوہ نمائی سے ظہور "گلشن" ہوا - گلشن نے نالۂ عندلیب پیدا کیا - نالۂ عندلیب سے "درد" جلوہ افروز ہوا
درد سے "اثر" ؎ این سلسلہ از طلائے ناب ست + این خانہ تمام آفتاب ست -

خواجہ محمد ناصر صاحب ہندوستان میں پیدا ہوئے - ابتدا اً شاہی منصبداروں میں شامل تھے
آخر منصب ترک کرکے یاد الٰہی میں مصروف ہوگئے - حضرت قبلۂ عالم خواجہ محمد زبیر سے بیعت تھے -
حضرت شاہ گلشن پیر صحبت میں - شاہ گلشن کی نسبت خواجہ صاحب ایک موقع پر فرماتے ہیں "کہ
اون کے فارسی کلیات میں دو لاکھ کے قریب شعر تھے - فن موسیقی میں کامل مہارت تھی" سے مشرف
ہوئے تھے - اون کی مدح میں فرماتے ہیں ؎

در فقیری بہرہ مند از فیض شاہ گلشنم		چوں مرقع صد بہار از فقر من گل میکند

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی روح پر فتوح سے طریقۂ محمدیہ حاصل کیا - اون کی تصنیف -
"نالۂ عندلیب" کا حجم اٹھارہ سو صفحے کا ہے - جس کو آزاد نے "ایک رسالہ" لکھا ہے ! - زبان فارسی
ہے - قصے کے پیرایہ میں معارفِ بلند اور مطالب عالیہ بیان فرمائے ہیں - موقع موقع پر کثرت سے
اشعار درج ہیں - وجہِ تصنیف خود یہ بیان فرمائی ہے کہ "اکثر آدمی مجھ سے مختلف مطالب اور مسائل
دریافت کیا کرتے تھے - صوفی طریقت کے جویا تھے - مُلا احکام شرعیہ پوچھتے تھے - مثلاً جبر و اختیار کا
مسالہ - بعض جو ان مذہبِ شیعہ و سنی کی تحقیق چاہتے تھے - بعض اخلاقِ ستودہ کے متلاشی تھے کسی کو
عشقِ مجازی کی حکایتوں کا شوق تھا - اہل عقل کو عقلی پیرایہ کی جستجو تھی - اسی عرصہ میں حضرت قبلۂ عالم نے
رحلت فرمائی - ادائے تعزیت کے لئے اعزہ اور احباب کا مجمع میرے مکان پر ہوا - اوسی موقع پر افسانہ
کے پیرایہ میں "بزبانِ ہندی" مطالب بالا کے جوابات خواجہ صاحب نے بیان لئے - تین شب دو روز
یہ صحبت رہی - اپنے اپنے مطالب کے جواب پاکر سامعین پر عجب عالم طاری ہوا - سامعین مُصر ہوئے کہ
اوس افسانہ کو قلمبند کردوں - عرصہ تک ٹالا - آخر اشارۂ غیبی پاکر فارسی زبان مین لکھدیا - طریقۂ
تالیف یہ تھا کہ عشا کے بعد مخصوص احباب کے روبرو زبانی بیان کرتا - میر درد لکھتے جاتے - احیاناً وہ نہ
ہوتے تو بیدار میرے مرید قلمبند کرتے - کبھی وہ بھی نہوتے تو خود میں ہی لکھتا جاتا اس طرح ۱۱۵۳ھ
میں یہ کتاب ختم ہوئی - "نالۂ عندلیب" - نام پایا - میر درد صاحب نے تاریخ لکھی - ع -

	نالۂ عندلیب گلشن ماست +	

کتاب کو پڑھو اور کمال اور بیان کی قوت کا اندازہ لگاؤ - خواجہ عندلیب صاحب نے ۶۶ برس کے
سن میں شعبان ۱۱۷۲ھ میں رحلت فرمائی - رضی اللہ عنہ -

خواجہ میر درد ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے تحصیل علم اپنے والد ماجد سے کی - تفصیل تحصیل نظر سے
نہیں گزری - لیکن تصانیف شاہد ہیں کہ نقلی اور عقلی علوم میں کامل تھے - خصوصاً علم الکتاب کے مطالعہ سے

واضح ہوتا ہے کہ تفسیر - حدیث - فقہ - تصوف - اور معقولات میں پوری مہارت حاصل تھی - ابتدائے شباب میں دنیا دار رہے - جاگیر اور معاش کے اہتمام میں پوری تگ و دَو کی - امرائے شاہی اور مقربان بارگاہ کے ناز اوٹھائے - ۲۸ - برس کی عمر میں جذبۂ حق نے اپنی طرف کھینچا - سب کو چھوڑ کر اودھر جھکے - لباس درویشی پہنکر آستانۂ جاناں پر سر جھکا دیا - ۳۹ برس کی عمر میں خواجہ عندلیب صاحب کی رحلت کے بعد مسند نشین ارشاد ہوئے - اور آخر دم تک قدم نہ ہٹا - مصیبتوں کے دریا چڑہے اور اوترے - یہاں پائے استقامت کو جنبش بھی نہ ہوئی - انہی مصایب میں "حملۂ نادری" بھی تھا - خواجہ صاحب بارہویں صدی ہجری کے اولیاے کبار سے ہیں -

تصنیف کا شوق ابتدائے عمر سے تھا اور آخر عمر تک رہا - پندرہ برس کی عمر میں بحالت اعتکاف رسالہ "اسرار الصلوٰۃ" لکھا - اونتیس ۲۹ برس کی عمر میں رسالۂ "واردات" لکھا - رسالہ مذکور ۱۱۷۲ھ میں ختم ہوا - اسکے بعد ایک مدت تک اوس کی شرح "علم الکتاب" لکھی - علم الکتاب کے بعد "نالۂ درد" لکھا جو ۱۱۹۰ھ میں پورا ہوا - میر اثر نے تاریخ کہی - ع

نالۂ عندلیب دردِ من ست" "نالۂ درد" کے بعد ۱۱۹۳ھ میں رسالۂ آہِ سرد ختم ہوا - تاریخ از میر اثر - ع "آہِ سرد ما نا بد گرمی رفتار ما" - "آہِ سرد" کے بعد رسالۂ "دردِ دل" کی نوبت آئی اسی کے ساتھ ساتھ رسالۂ "شمع محفل" لکھا گیا - دونوں کو ساتھ لکھنے کی وجہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ "نالہ درد" اور "آہِ سرد" کی تالیف کے بعد جب رسالۂ "درد دل" لکھنا شروع کیا تو خیال آیا کہ اسکے بعد ایک رسالہ "شمع محفل" کے نام سے لکھوں گا - مگر چونکہ سن باسٹھ برس کا ہو چکا - فرصت مفقود - لہذا دونوں کو ساتھ ساتھ لکھنا شروع کر دیا - صفر ۱۱۹۵ھ میں دونوں رسالے ختم ہوئے

فن موسیقی میں خواجہ صاحب کو پورا دخل تھا - میاں فیروز خاں گویّوں کا استاد حاضر ہو کر فن کے نکتے حل کرتا - دوسری اور چوبیسویں تاریخ کو ہر مہینے میں ایک مجلس سماع مکان پر ہوتی اسطرح کہ قوال بلا طلب حاضر ہو جاتے اور جب تک اون کا دل چاہتا سناتے اور پہلے جاتے - نہ بلائے جاتے نہ روکے جاتے - سماع کی نسبت خواجہ صاحب فرماتے ہیں - "سماع من جانب اللہ ست و حق برین امر ہمہ وقت گواہ کہ خود بخود گویندگاں می آیند و ما وام کہ میخواہند می سرایند - نہ آنکہ فقیر اینہا را می طلبد - و شنیدن سرود را چون دیگران عبادت می فہمد بلکہ ہماں معاملہ نہ انکار میکنم نہ این کار میکنم در پیش ست و عقیدۂ من ہماں ست کہ عقیدہ بزرگان من ست" (نالۂ درد - ۳۷)

۲۴ - صفر ۱۱۹۹ھ ہجری کو انتقال فرمایا اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے - تاریخ وفات از بیدار -

تاریخ - قطعہ -

آفتابِ امتِ دینِ محمد خواجہ میر — مظہرِ علمِ علی و وارثِ اثنا عشر

حضرتِ دردؔ آنکہ از دردِ فراقِ عندلیب — نالۂ یا ناصرش میکرد بر دلہا اثر

حیف گزدنیا بعمرِ شصت و ہشتم سالگی — جانبِ اعلاء علیین او کردہ سفر

بندۂ بیدار کان ہست از غلامانش یکے — جُست از وقتِ وصال در روزِ و ماہش چون خبر

یک پہر شب ماندہ ہاتف کرد وایلا و گفت — ہائے بود آدینہ و بست و چہارم از صفر

اس تاریخ میں خواجہ صاحب کی عمر اڑسٹھ ۶۸ برس کی لکھی ہے - حالانکہ خود خواجہ صاحب کے بیان سے چھیاسٹھ برس معلوم ہوتے ہیں - جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا - مزار شہر پناہ کے باہر شاہ جی کے تالاب کے متصل ہے - میں بھی فاتحہ خوانی سے مشرف ہوا ہوں - والحمد للہ علیٰ ذالک نزع میں یہ مصرع خواجہ صاحب کے زبان پر تھا - ع - دردؔ ہم جاتے ہیں پر چھوڑے اثر جاتے ہیں - میر اثرؔ خواجہ صاحب کے بعد سجادہ نشین ہوئے - یہ سلسلہ خواجہ محمد نصیر متخلص بہ "رنج" تک جاری رہا - جو خواجہ صاحب کے نواسے تھے - خواجہ صاحب کے صاحبزادے ضیاء الناصر تھے - تخلص "الم" تھا -

تصانیف بیان بالا سے خواجہ صاحب کی تصانیف کے یہ نام معلوم ہوئے - ۱ اسرار الصلوٰۃ ۲ رسالہ واردات - ۳ علم الکتاب - ۴ نالۂ درد - ۵ دردِ دل - ۶ آہ سرد - ۷ شمع محفل ۸ انکے علاوہ دیوان فارسی - ۹ دیوان اردو - جملہ تصانیف بالاشاعت ہو چکی ہیں -

اسرار الصلوٰۃ چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں نماز کے ارکان ہفتگانہ کے اسرار سر سر کرکے بیان فرمائے ہیں - واردات - یہ ایک سو گیارہ واردات کا مجموعہ ہے - ہر وارد کا نام جداگانہ ہے - مثلاً - وارد اول "فاتح الواردات" وارد ثانی - "نور من اللہ" علیٰ ہٰذا القیاس وجہ تالیف "واردات" کی یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اکثر اوقات غلبۂ حالات میں (جو عبارت ہے شہادت مشاہدہ کی حالت سے اور استیلا رتا لہ سے) جو معانی دل پر منکشف ہوتے تھے وہ رباعیوں کی صورت میں منظوم ہو جاتے تھے جب یہ رسالہ تمام ہو گیا تو ۱۱۷۲ھ میں خواجہ عندلیب صاحب کی خدمت میں پیش ہوا اور پسند فرمایا گیا - رسالہ واردات میں معرفت و حقیقت کے مطالب عالیہ بیان فرمائے ہیں ہر وارد کا ایک دیباچہ ہے - اول و آخر رباعی ہے - درمیان میں شارحانہ نثر - نمونہ - وارد اوّل

رباعی اول

در خلوتِ ما کہ رشکِ صد انجمن ست
با خویش زباں چو شمع گرم سخن ست
عالم آئینہ خانہ است و مارا
ہر سو کہ اشارت ست باخویشتن ست

رباعی آخر کی

از فیض تو ہر خرابہ معمور آمد
وز لطف تو ہر غنچہ مسرور آمد
بخت سیہش رخت زعالم بر لبیت
ہر سایہ کہ زیرِ سایۂ نور آمد

وارد دویم - رباعی آخر کی -

ہستی و عدم خراب میخانۂ اوست
امکان و وجوب ست پیمانۂ اوست
چشمِ دل تو اگر حقیقت بیں ست
ہر ذرۂ خلق روزن خانۂ اوست

"علم الکتاب" رسالہ بالا کی شرح ہے جو میر اثر کی فرمایش سے لکھی گئی - باریک خط کے بڑے بڑے صفحے ۸۴۶ ہیں - خواجہ صاحب کے علم الٰہی کا تبحر اور کمالاتِ معرفت کی حقیقت اِس تصنیف سے واضح ہوتی ہے - جا بجا عربی طویل عبارتیں بے تکلف غایت بلاغت کے ساتھ مثلِ چشمہ رواں ہیں - مطالب حقہ کا ہجوم ہے - آیات اور احادیث اس روانی اور آسانی سے ہر موقع پر درج ہوتی جاتی ہیں کہ پڑھنے والے کا قلب اون کے انوار سے پرنور و معمور ہو جاتا ہے - سلوک کے مسایل کو آیات و احادیث سے مجتہدانہ اور عارفانہ قوت کے ساتھ ثابت و مدلل فرمایا ہے - "نالۂ درد" میں فرماتے ہیں کہ "نالۂ عندلیب" اور "علم الکتاب" طریقہ محمدیہ کے سلوک کے لیے کافی ہیں - یہ کتاب متانت و قوتِ تحریر میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بہترین تصانیف کے ہم پلہ ہے -

"نالۂ درد" "علم الکتاب" کے بعد لکھا گیا دیباچہ میں فرماتے ہیں -

" علم الکتاب کے ختم ہونے پر جو مطالب "قلب حیران پر" تراوش کرتے تھے اون کو میر اثر جمع کرتے گئے - جب مجموعہ تیار ہو گیا "نالۂ درد" نام رکھا" اس میں لفظ ناصر کے ہمعدد ۳۴۱ نالے ہیں - یہ رسالہ سوز و گداز اور ولولۂ شوق سے معمور ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں -

درد می بارد از رسالۂ درد	شرحِ دردِ دل ست نالۂ درد

"آہِ سرد" اس میں بھی ۳۴۱ سرد آہیں ہیں - "نالۂ درد" و "آہِ سرد" دونوں مل کر گویا ایک کتاب ہیں - "دردِ دل" "نالۂ درد" "آہِ سرد" دونو ختم ہو گئے مگر دردِ دل بدستور تھا - ناچار "دردِ دل"

لکھا۔ اس میں ۳۴۱ - درد ہیں - ہر درد میں مطالب عرفان کی شرح ہے۔

شمع محفل - اس میں ۳۴۱ نور ہیں اور ہر نور معارف بلند سے معمور ہے - رسالہ کا آغاز خواجہ صاحب کی عمر کے باسٹھویں سال میں ہوا تھا - چھیاسٹھ برس کی عمر تک درد دل کے ساتھ اس کی تحریر جاری رہی - اس رسالہ کا خاتمہ حیرت خیز اور واقعہ عبرت انگیز ہے - خاتمہ میں فرماتے ہیں۔ اُب میری عمر کا چھیاسٹھواں سال ہے اور یہ رسالہ ختم ہو رہا ہے - مبارک اسم اللہ کے بھی عدد ۶۶ ہیں - صحیفہ واردات ۱۱۷۲ھ ہجری میں ختم ہوا تھا اوسی سال والد عالی مرتبہ نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں رحلت فرمائی تھی - حسن اتفاق کہ اس رسالہ کا خاتمہ امسال ہوا جو میرا سال ارتحال ہے - یہہ رسالہ - رسالہ "شمع محفل" کے ساتھ ۱۱۹۵ھ میں شروع ہوا تھا - ۱۱۹۹ھ میں ختم ہو رہا ہے - ظاہرا یہ خاتمہ توأم ہے سکوت خاتمہ بالخیر راقم رسالہ سے" خواجہ صاحب کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا - دیکھو اسی صفر کی ۲۴ تاریخ کو خواجہ صاحب نے رحلت فرمائی - یہہ کیا تھا - سائنس کے رمز شناس سوچیں "شمع محفل" کا نور (۳۲۹) اس راز پر روشنی ڈالتا ہے جہاں فرماتے ہیں کہ مجھ سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ سال ارتحال و حال انتقال تجھکو پیشتر سے بتلا دیا جائے گا برید اجل ناگہاں نہیں پہنچیگا - چاروں مذکورۂ بالا رسالوں میں یہہ التزام ہے کہ سوائے اپنے اشعار فارسی کے اور کسی شاعر کا کلام درج نہیں کیا۔

"دیوان فارسی" دیوان فارسی مختصر ہے - ۱۳۰۹ ہجری میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا ہے - غزلیں ہیں - رباعیاں ہیں - مخمس وغیرہ بھی ہیں - زبان کا وہی انداز ہے جو فارسی گو شعرائے ہند خان آرزو وغیرہ کا ہے - معرفت کی قوت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہے - ایک شعر سن لیجئے۔

شد نقشہا ظہور دو عالم وجود ما
جوشید نشاتین ز جوش شراب ما

اس شعر سے زور کلام اور قوت نسبت کا اندازہ کیجئے - اگر "نالۂ درد" وغیرہ کے اشعار بھی شامل دیوان ہو جائیں تو ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہو جائے - نمونہ غزل فارسی -

غزل

جوش زد بادہ توحید بہ میخانۂ ما -
بحر دارد بہ گرہ قطرۂ پیمانۂ ما

بیخودی پردہ کشائے حرم دل باشد
بستہ احرام رہش لغزش مستانۂ ما

دیدہ ہا آئینہ ہا شند بامیدے کہ کنُد ۔ جلوۂ یار قدم رنجہ بکاشانۂ ما

زینت و زیبِ زناں باد مبارک بزناں ۔ سازد و نیا نکند ہمتِ مردانۂ ما

سنتِ طبع رسا ورد ہمت نکشم

آشنا کردہ بامعنیٔ بیگانۂ ما

غزل

آئینہ ایم فرما تا در حضور آئیم ۔ ہر جلوہ کہ داری درخود ترا نمائیم

عرفانِ تیز بیں را حیرت گرفت آخر ۔ اکنوں بہ نورِ ایماں چشمِ یقیں کشائیم

از آشنائے ما بیگانگی ست اورا ۔ بیگانہ وار ہستیم از بسکہ آشنائیم

ما چشمِ نقشِ پائیم دیدِ قصور داریم ۔ گو در رہش فتادیم اما برہ نیائیم

او دلبر و دل آزا ۔ ما دل ز دست دادہ ۔ یا رب چہ پیش آمد آمادۂ بلائیم

ما از وفا نپرسیم تو از جفا نگوئی ۔ تا چند آزمائی تا چند آزمائیم

یاراں ز مہربانی دانند ۔ ہر چہ دانند

ما خوب می شناسیم ای درد آنچہ مائیم

متفرق

در دستِ سلطانِ بحر و بر گشتم ۔ کہ لبِ خشک و چشم تر دارم

ولہ

صبحِ روزِ فراقِ شام بود ۔ اے شبِ وصل شامِ تو سحرست

ولہ

فروغ ماہ در شبہا تواں دید ۔ بہندوستاں نماید نورِ ایماں

ولہ

در دست چراغے کہ دریں راہ بگیرم ۔ آئینہ بکف از دل آگاہ بگیرم

"دیوانِ اردو" ۔ اس کا بیان آگے آتا ہے ۔

ادبِ اُردو

خواجہ صاحب اُردو شعرا کے تیسرے دور میں ہیں - میر و میرزا معاصر تھے دورِ سوم کے شعرا کی نسبت آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں "زبانِ اُردو ابتدا میں کچا سونا تھی - اِن بزرگوں نے اوسے کدورتوں سے پاک صاف کیا اور ایسا بنادیا ہے کہ جس سے ہزاروں ضروری کام اور آرایشوں کے سامان حسینوں کے زیور بلکہ بادشاہوں کے تاج و افسر تیار ہوتے ہیں .... یہ اپنی صنعت میں کچھ کچھ تکلف بھی کریں گے مگر ایسا جیسے گلاب کے پھول پر شبنم یا تصویر پر آئینہ - انکا تکلف بھی اصل لطافت پر کچھ لطف زیادہ کرے گا اوسکی خوبی پر پردہ نہوگا۔ تم میر صاحب اور خواجہ میر درد کو دیکھوگے کہ اثر میں ڈوبے ہونگے" - آگے چلکر لکھتے ہیں "اپنے اُستادوں اور بزرگوں سے یہی سُنا کہ مرزا جان جاناں - سودا - میر - خواجہ میر درد - یہہ چار شخص تھے کہ جنہوں نے زبانِ اُردو کو خراد اوتارا ہے"

کلام بالا سے خواجہ صاحب کے ادبی صفات یہ واضح ہوے - زبان کو پاک اور کلام کو آراستہ کیا - خراد اوتارا - اِس سے بھی بڑھکر شہادت میر تقی میر اور میر حسن کی ہے - میر صاحب جب اکبر آباد سے دلی آئے تو خواجہ صاحب کی خدمت میں شرف اندوز ہوتے رہے - اونکے مشاعرہ میں شریک ہوکر اہل الخلاق کے مذاق سے آشنا ہونے اور اہلِ زبان کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کا موقع اونکو ملا - میر صاحب کی ترقی دیکھکر خواجہ صاحب فرماتے - "میر محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد" - جب وہ مشاعرہ خواجہ صاحب کے یہاں بند ہوگیا - تو میر صاحب نے اونکی فرمایش سے اپنے یہاں مقرر کیا - اپنے مشاعرہ کی نسبت لکھتے ہیں "واللہ کہ بذات ہمیں بزرگ ست" میر صاحب کو صاف اقرار ہے کہ اونکا کمال خواجہ صاحب کے پاک انفاس کا ممنونِ کرم ہے - چنانچہ لکھتے ہیں "الحمد للہ والمنتہ کہ حرفِ آں سر سلسلۂ خدا رسیدگاں مُؤثر افتاد - باطنِ آن خضرِ قافلۂ اہلِ عرفاں کہ از ظاہر ش ظاہر ترست زود کار کرد - (دیکھو تذکرۂ میر تقی - حالات خواجہ صاحب) - میر حسن نے بھی ابتدائے ذوقِ شاعری کی پختگی خواجہ صاحب کی صحبتیں حاصل کی - کریم الدین لکھتے ہیں "بچپن سے میر حسن کو شوق نظم کا تھا - جب اِس شوق کی ترقی چاہی خواجہ میر درد کی صحبت میں رہے - اِسی فیض صحبت سے وہ اپنے ارادہ پر مضبوط اور قائم رہے" (ترجمہ کا سنڈی تاسی) خود میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "میرے اوستاد میر ضیا ہیں مگر مجھ سے اونکے طرز کا کما حقہٗ نباہ نہو سکا - اِس لئے میں نے دوسرے بزرگوں کی (مثل خواجہ میر درد - میرزا رفیع سودا - اور میر تقی میر) پیروی کی - خواجہ صاحب کی خصوصیت خاص یہہ ہے کہ اردو شاعری کے قالب میں حقیقت و معرفت کی روح پھونکی - مردہ جسم کو زندہ کیا - نمایاں وصف یہہ ہے کہ اُردو ادب میں

مذاقِ صحیح پیدا کیا۔ میر تقی میر اور میر حسن اون کے صحبت یافتہ ہیں۔ اثر اور قائم اُن کے شاگرد ہیں۔ نیز فراق۔ بھکاری داس۔ عزیز نثار۔ آلم صاحبزادہ ہیں۔ ایک قریبی رشتہ دار شاعر تخلص ہیں۔

میر اثر کی مثنوی "خواب وخیال" افسوس ہے کہ اب تک دستیاب نہیں ہوئی مگر جو اشعار اُس کے محفوظ ہیں اُن سے اور خواجہ حالی کی شہادت سے عیاں ہے کہ مثنوی مذکور ایک نمونہ تھی حُسنِ ادب کا۔ آبحیات میں آزاد نے تصریح کی ہے کہ میر حسن جو اندازِ بیان دلّی سے لائے تھے وہ اُن کے خاندان نے آخر تک قائم رکھا۔ چنانچہ میر انیس کہدیتے تھے کہ "یہ میرے گھر کی زبان ہے۔ حضرات لکھنؤ اس طرح نہیں فرماتے" نہ صرف یہ بلکہ اندازِ گفتگو۔ طرزِ معاشرت میں بھی آخر تک انتیاز قائم رہا۔ جن صاحبوں نے میر نفیس اور میرزا اوج کو دیکھا ہے وہ میرے بیان کی تصدیق کریں گے۔ اب یہ کہنا بیجانہ ہوگا کہ مثنوی خواب وخیال۔ مثنوی بدرِ منیر اور مراثی انیس سے جو فخر و شرف ادب اردو کو حاصل ہوا وہ خواجہ صاحب کے فیضِ تربیت کا ممنون ہے۔

خواجہ صاحب شاعری کی نسبت ایک موقعہ پر فرماتے ہیں۔ اس سے اندازہ کرو کہ کیسی پاکیزہ شاعری کا مفہوم خواجہ صاحب کے ذہن میں تھا۔ "شاعری ایسا کمال نہیں جس کو مَرد۔ آدمی اپنا پیشہ بنالے اور اُس پر ناز کرے۔ البتہ انسانی ہنروں میں سے ایک ہنر ہے بشرطیکہ صلہ حاصل کرنے اور دربدر پھرنے کا آلہ نہ بنے اور مدح اور ہجو دُنیا کمانے کے لیے نہ کہے ورنہ گداگری کی ایک صورت ہے اور طامعی اور بدنفسی کی دلیل" (نالۂ درد ۲۸)۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں "اس سے پہلے بہت ہی کم آدمی ایسے نظر آتے تھے جو "سلسلہ جُنبانِ سخن" ہوں۔ آپ سے کہیں دوسروں سے مُنہیں۔ دلِ بے اختیار چاہتا تھا کہ دل پر جو معارف تازہ وارد ہوتے تھے اُن کو سخن فہم نکتہ سنجوں کے سامنے بیان کروں اور اُن سے ہمکلام ہوں یہ نتیجہ انسانیت ہے اور نشانِ آدمیت۔ کلام مربوط عجیب لذت رکھتا ہے اور دل کو شگفتہ کر دیتا ہے۔ علمہ البیان کا یہی خلعت ہے جو خلیفتہ اللہ کو پہنایا گیا ہے۔ پاک فرشتوں کی مسجودیہ مشتِ خاک اسی نعمت کی بدولت ہوئی ہے۔ اب معنی فہم انسانوں سے زمانہ بالکل خالی ہو چکا ہے۔ بعض جہلا توحید اس انداز سے بیان کرتے ہیں جو عین الحاد ہے۔ بعض جنگجو مذہب و ملت کی باتیں اس طرح کرتے ہیں جو منشاءِ فساد ہو جاتی ہیں۔ کچھ خام طبع باہم ملکر جوشِ اخلاص کا اظہار کرتے ہیں اور بیہودہ گوئی کے معرکے گرم کرتے ہیں۔ عقل و فہم کہاں۔ خدا ایسی صحبتوں کے شر سے محفوظ رکھے"

خود اپنی شاعری کی نسبت فرماتے ہیں "فقیر کے اشعار باوجود رتبۂ شعری کی رعایت کے پیشۂ شاعری اور اندیشۂ ظاہری کے نتائج نہیں۔ بندہ نے کبھی شعر بدون آمد کے۔ اہتمام آورد سے موزوں نہیں کیا اور بہ تکلف کبھی شعروسخن میں مستغرق نہیں ہوا۔ کبھی کسی کی مدح یا ہجو نہیں لکھی۔ کبھی فرمائش یا آزمائش سے متاثر ہو کر شعر نہیں کہا"

(علم الکتاب صفحہ ۹۱)

عشقِ مجازی کا مفہوم خواجہ صاحب کے یہاں معمولی سطح سے بلند تر ہے۔ فرماتے ہیں "بوالہوسی عشقِ مجازی

نہیں ہی اور اس مجاز کو حقیقت کی راہ نہیں کہہ سکتے پیر کی محبت وہ عشقِ مجازی ہی جو مطلوبِ حقیقی تک پہنچا دیتی ہی

سے درد سر افزود از عشقِ بتاں ؎ در دین بجز استم دردِ دلے۔ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں "میں کبھی رسمی عشق بازی میں گرفتار نہیں ہوا لیکن دل "عاشقانہ صادقانہ" پایا ہی۔ محبوبوں سے تو کبھی سابقہ نہیں رہا البتہ دوستوں کی صحبت بے تکلفانہ میں وقت گزارا ہی۔ دوستانِ ہمدم جب جمع ہوں اور "محفلِ زندہ دلی" گرم فرمائیں اِس مردہ دل افسردہ خاطر" کو بھی یاد کریں اور فاتحہ خیر سے شاد"

مضامین بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ خواجہ صاحب کی شاعری کی نوعیت اور تخیل شعر کی حقیقت کیا تھی؟

خواجہ صاحب کا **دیوان اُردو** مختصر ہی۔ عام طور پر جو مطبوعہ نسخے ملتے ہیں بہت غلط ہیں۔ اسی لیے جناب **سید راس مسعود** صاحب کو صحیح نسخے کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا۔ اور بہت صحیح پیدا ہوا۔ حیدر آباد میں ایک سے زائد قلمی دیوان درد کے نسخے میرے ہاتھ آئے۔ سید صاحب کی فرمائش سے میں نے **سید معین الدین** صاحب شاہجہان پوری (مترجم نپولین اعظم وغیرہ) کو تصحیح و مقابلے کی تکلیف دی۔ اہل ادب کو ممنون ہونا چاہیے کہ نہایت محنت و دیدہ ریزی سے اُنھوں نے ایک صحیح نسخہ مرتب فرمادیا اُسی نسخے سے یہہ دیوان طبع ہوا ہی۔ طبع کے بعد جب میں حیدر آباد سے حبیب گنج آیا تو کتاب خانہ میں ایک قدیم مطبوعہ نسخہ موجود ملا جو دہلی کے مطبع مصطفائی میں ۱۸۵۵ء میں اہتمام سے طبع ہوا تھا۔ یہہ نسخہ بہت صحیح ہی اور متعدد صحیح نسخوں کے مقابلے سے چھاپا گیا تھا۔ میں نے اِس نسخے سے بھی مقابلہ کرنے کی خواہش **سید معین الدّین** صاحب سے کی اور اُنھوں نے مہربانی سے محنت کرکے مقابلہ کیا۔ یہہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ حالیہ مطبوعہ نسخہ قدیم سے بالکل مطابق نکلا۔ صحت میں بھی اور مقدار کلام میں بھی۔

خواجہ صاحب کے کلام میں بعض ایسے الفاظ ضرور ہیں جو اب متروک ہوچکے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہی کہ جو زبان آج فصیح سمجھی جاتی ہی کل اُس کے کتنے الفاظ غیر فصیح اور نامانوس مانے جائینگے۔ لیکن اسی کے ساتھ معرفت اور حقیقت کا رنگ۔ کلام کی پاکیزگی۔ تخیل کی بلندی درد کی چاشنی سوز و گداز کا کندن ہر جگہ عیاں ہی تاباں ہی اشعار ذیل اس دعوے کے شاہد ہیں:۔

غزل

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا — حقا کہ خداوند ہی تو لوح و قلم کا
جس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہی — کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا
بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن — آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا
ہی خوف اگرچہ میں تو ہی تیرے غضب کا — اور دل میں بھروسا ہی تو تیرے ہی کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

دیگر

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہی دور آپ کو میری فروتنی
اُفتادہ ہوں پہ سایۂ قدِّ کشیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں مَیں تیرہ روزگار
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہی بوئے گل تو میرے ساتھ اختلاط
پر آہ مَیں تو مَوجِ نسیمِ وزیدہ ہوں

چاہے ہی یہ مری تپشِ دل کہ بعد مرگ
کنجِ مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے دَرد جا چکا ہی مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرہ اشک چکیدہ ہوں

دیگر

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

ہم گلشنِ دوراں میں اے خفتگیِ طالع
سر سبز تو ہیں لیکن جوں سبزہ خوابیدہ

اے شورِ قیامت رہ اودھر ہی میں کہتا ہوں
چونکے ہی ابھی یاں سے کوئی دل شوریدہ

اور دل سے تو ہنستے ہو نظروں سی ملا نظریں
ایدھر کو نظر کوئی پھینکی بھی تو دزدیدہ

مجھ پر بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا بارے
زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ

بدخواہ سبھی عالم گو ہووے تو ہو لیکن
یا رب نہ کسی کے ہوں دشمن یہ دل و دیدہ

کرتا ہی جگہہ دل میں چوں ابروئے پیوستہ
اے درد یہ تیرا تو ہر مصرعہ چسپیدہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گزرِ پروانہ
تم نے کیا قہر کیا۔ بال و پرِ پروانہ

شمع کے صدقے تو ہوتے ابھی دیکھا تھا اُسے
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثرِ پروانہ

کیوں اُسے آتشِ سوزاں میں لیے جاتی ہے
سوجھتا بھی ہے تجھے کچھ نظرِ پروانہ

ایک ہی جست میں لی منزلِ مقصود اُس نے
راہرو۔ رشک کی جا ہے سفرِ پروانہ

شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے دردؔ میں کس سے خبرِ پروانہ

دیگر

اُس کی بہار حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
فصلِ بہار جس کے ہاں ایک یہ گل فروش ہے

خلوتِ دل نے کر دیا اپنے حواس میں خلل
حُسن بلائے چشم ہے۔ نغمہ وبالِ گوش ہے

ہووے تو درمیان سے اپنے تئیں اُٹھائیے
بار نہیں ہے اور کچھ۔ سر ہی وبالِ دوش ہے

نالہ و آہ کیجیے خونِ جگر ہی پیجیے
عہدِ شباب کہتے ہیں موسمِ ناؤ نوش ہے

خیر تجھے جو چاہیے بدرقہ جنوں نہ چھوڑ
ہمنے جہاں کی سیر کی۔ رہزنِ خلق ہوش ہے

غیرِ ملال زاہدا۔ کیا ہے طریق زہد میں
دل ہو شگفتہ جس جگہ۔ کوچۂ میفروش ہے

اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
دردؔ اگر لباس ہے دیدۂ عیب پوش ہے

دیگر

آفتِ جان و دل تو یاں وہ بُتِ خود فروش ہے
پہلے ہی جس کے پیشکش۔ صبر و قرار ہوش ہے

دل کو سیاہ مست کر۔ کچھ بھی تجھے جو ہوش ہے
کہتے ہیں کعبہ اِس کو۔ اور کعبہ سیاہ پوش ہے

کس کی یہ ہوتی ہے صبا گفت و شنید باغ میں
غنچے سبھی دہان ہیں۔ گل بھی تمام گوش ہے

آتشِ گل جنوں مرا گرم کرے سو یہ نہیں
سینہ ہمیشہ آگ ہے دل میں سدا ہی جوش ہے

حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سو کیا بلا
ہم کو سپہر مت ڈرا۔ نیش بھی یاں تو نوش ہے

ہم نے تو ایک معصیت چاہی چھپے نہ چھپ سکی
آہ کہیں یہ ناتواں حال کرے سو کیا بیاں
دور نہیں ہوا ابھیں رنج شعور رسا تھا

اپنے گناہ کو ترا عفو ہی پردہ پوش ہے
منہ پہ ہے مہر خاموشی دل میں بھرا خروش ہے
اک دو سہ جام اور بھی باقی ابھی تو ہوش ہے

محنت و رنج و غم تا بیاں درد نہ جی چھپایئے
بار سبھی اٹھایئے جب تلک سر ہی دوش ہے

آخر میں یہ لکھدینا ضروری ہے کہ جو حالات اس مقدمہ میں لکھے گئے ہیں اُن کا ماخذ خود خواجہ صاحب کی تصانیف ہیں بعض حالات یا مضامین ایسے بھی درج ہوئے جو دوسری کتابوں سے ماخوذ ہیں اُن کا حوالہ موقع پر دیدیا گیا ہے۔

میں ممنون ہوں کہ سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی سے قیمتی مدد ملی ہے۔ ناشکری ہوگی اگر میں نہ لکھوں کہ خواجہ صاحب کی نادر اور نایاب تصانیف (علم الکتاب۔ و نالۂ درد وغیرہ) اور خواجہ عندلیب صاحب کی نالۂ عندلیب کی اشاعت کی سعادت نواب سیّد نور الحسن خاں مرحوم بھوپالی کو نصیب ہوئی۔ یہ دین و علم کی ایسی بیش بہا خدمت تھی جو ہمیشہ اہل دل کو اُن کا ممنون رکھیگی۔ جزاہ اللہ خیراً اللہ بس۔ باقی ہوس۔

محمد حبیب الرحمن خاں شروانی
ملقب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر
حبیب گنج۔ ضلع علی گڑھ

۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ م ۲۹ اگست ۱۹۲۲ء
یوم چہارشنبہ

سید راس مسعود صاحب مدظلہ المخاطب بہ نواب مسعود جنگ ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ کی ادبی سرگرمیاں اک عرصے سے اساتذہ اردو کے کلام کو صحیح اور خوشنما صورت میں چھاپنے کی طرف متوجہ ہیں۔ نظامی پریس بدایوں کی خوش قسمتی ہی کہ اس تجویز کو عملی شکل دینے کے لیے اس کو منتخب کیا گیا یہ سلسلہ سرکار آصفیہ کے نام سے منسوب ہی۔ دیوان دردؔ جو آج آپ کے مبارک ہاتھوں میں پہونچتا ہی اس سلسلے کی تیسری کڑی ہی۔ چونکہ ہر دیوان کے ساتھ ایک مقدمہ شامل ہونے کا دستور ہو گیا ہی اس لیے سید راس مسعود صاحب نے اس دیوان کے لیے مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر کا انتخاب کیا۔ مقدمے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ سید صاحب کا یہ انتخاب کہاں تک صحیح ہی۔ مقدمہ جس تلاش و تجسس سے لکھا گیا ہی وہ دراصل شیروانی صاحب ہی کا حصہ تھا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے شائقین کلام درد کو کسی قدر زیادہ انتظار کرنا پڑا لیکن مجھے اُمید ہی کہ مقدمے کی اہم معلومات اور دقیق نکات سے اس کا پورا معاوضہ ہو جائے گا ارادہ تو یہ تھا کہ قدیم اردو کے متروک الفاظ و محاورات کی ایک فرہنگ بھی شامل کر دی جاتی لیکن ہم ناظرین کو مزید انتظار کی تکلیف دینا نہیں چاہتے تھے اور افسوس ہی کہ یہ ارادہ آیندہ اشاعت کے لیے ملتوی کرنا پڑا۔

دیوان کی صحیح کتابت اور اُس کی خوشنما طباعت کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہی کہ یہ "دیوان درد"
جو کارکنان نظامی پریس کی ادبی سعی کا ایک نمونہ ہی اپنا آپ ہی نظیر ہی۔

خواجہ میر درد کے کلام میں دنیا کی بے ثباتی کی تصویر سوز و گداز کے مضامین عجیب دلکش پیرایہ میں ادا کیے گے ہیں۔ ان کا تخیل نہایت زبردست ہی اخلاقی نکات سے ان کا کلام مالا مال ہی۔ اگر ہم خواجہ صاحب کے دیوان کی نسبت یہ کہیں کہ وہ پند و نصائح کے بیش بہا جواہر ریزوں کا گنجینہ ہی تو کچھ بیجا نہیں وہ خود فرماتے ہیں ؎

ہوں قافلہ سالار طریقت رہا درد
چوں نقش قدم خلق کو میں راہنما ہوں

امید ہی کہ ہماری موجودہ نسل جس نے مغربی تعلیم کی روشنی میں پرورش پائی ہی۔ اس قدیم ایشیائی شاعر کے نادر کلام سے فائدہ اُٹھائے گی اور اس زمانہ میں بھی جبکہ اُس کی تصنیف کو کم و بیش ڈیڑھ سو سال گزر چکے ہیں وہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا فقط

خاکسار

نظامی بدایونی عفی عنہ

نظامی پریس بدایوں

۱۶ر صفر ۱۳۴۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الف

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقا کہ خداوند ہی تو لوح و قلم کا

جس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہی
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد ہی تجھ سے ہی تو گھر دَیر و حرم کا

ہی خوف اگر جی میں تو ہی تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہی تو تیرے ہی کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

دونو جہاں کو روشن کرتا ہی نور تیرا
اعیان ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا

یاں افتقار کا تو امکاں سبب ہوا ہی
ہم ہوں نہ ہوں ولے ہی ہونا ضرور تیرا

باہر نہ ہو سکی تو قیدِ خودی سے اپنی
اے عقلِ بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

ہی جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا

جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں بھرا ہوا ہی ازبس غرور تیرا

اے درد منبسط ہی ہر سو کمال اُس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہی قصور تیرا

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہماں تھے یاں اک تو ہی صاحب خانہ تھا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراجِ خزاں
آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ
وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوتخانہ تھا

بھول جا خوش رہ عبث وے سابقے مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

کبھی خوش بھی کیا ہے دل کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

چھپے ہرگز نہ مثلِ بو وہ پردوں کے چھپانے سے
مزا پڑتا ہے جس گل پیرہن کو بے حجابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یاں فرصتِ ہستی
فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

میں اپنا دردِ دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

کبودِ چرخ دیکھا تو سواری کے نہیں قابل
مہِ نو سے ہے پیدا عیب اس کی بدرکابی کا

زمانے کی نہ دیکھی جرعہ ریزی درد کچھ تو نے
ملایا مثلِ مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

جان پہ کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یا رہے مجھ کو ادھر دیکھنا

گرچہ وہ خورشید رو ہے نت مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

ذکرِ وفا کیجیے اس سے جو واقف نہ ہو
کہتے ہو کس سے یہ تم ٹک تو ادھر دیکھنا

مثلِ شرر تنگ چشم ہستی نے بود ہے
دیکھ نہ سکنا اسے ٹک بھی جدھر دیکھنا

نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا درد بس

جی میں نہ رہ جائے یہ آہ بھی ۔ کر دیکھنا

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا — بہتر ہی کیمیا سے اپنا گداز کرنا
کب دل ملے کسی کا ہم غمزدوں سے کھل کر — ہی اپنے دل سے لازم جوں غنچہ ساز کرنا
ای آنسو نہ آوے پھول کی بات منہ پر — لڑکے ہو تم کہیں مت افشائے راز کرنا
تو اپنے ہاتھوں آپ ہی پڑتا ہی تفرقہ ہیں — ای امتیاز نادان ٹک امتیاز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں ای درد کیا ہی کعبہ
جیدھر پھرے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا — ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا
یارب یہ دل ہی یا کوئی مہماں سرائے ہی — غم رہ گیا کبھو ۔ کبھو آرام رہ گیا
ساقی مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر — لب تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہ گیا
سو بار سوز عشق نے دی آگ پر ہنوز — دل وہ کباب تھا کہ جگر خام رہ گیا
ہم کب کے چل بسے تھے پر ای فردہ وصال — کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا
مدت سے وہ تپاک تو موقوف ہو گئے — اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

ازبس کہ ہم نے حرف دوئی کا اٹھا دیا
ای درد اپنے وقت میں ابہام رہ گیا

جگ میں آکر ادھر اودھر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی — جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری — آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اور عاشق مزاج ہی کوئی
درد کو قصہ مختصر دیکھا

عاشقِ بیدل ترا یاں تک تو جی سے سیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اس کو بھی
حرص کرواتی ہی ہر روبہ بازیاں سب شے نہ یاں
اشک نے میرے ملائے کتنے ہی دریا کے پاٹ

زندگی کا اُس کو جو دم تھا دمِ شمشیر تھا
جب تلک پہونچے ہی پہونچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا
اپنے اپنے بوریئے پر جو گدا تھا شیر تھا
دامنِ صحرا میں ورنہ اس قدر کب گھیر تھا

شیخ کعبے ہو کے پہونچا ہم کنشتِ دل میں ہو
درد منزل ایک تھی کچھ راہ ہی کا پھیر تھا

کام یاں جس نے جو کہ ٹھہرایا
بے طرح کچھ اُلجھ گیا تھا دل
آنسو کب تک کوئی پیئے جاوے
دشمنی میں سنا نہ ہووے گا

جب تلک ہووے آپ ہی کام آیا
بے وفائی نے تیری سُلجھایا
اس محبت نے جی بہت کھایا
جو ہمیں دوستی نے دکھلایا

ہم نہ کہتے تھے مُنہ نہ چڑھ اس کے
درد کچھ عشق کا مزا پایا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
گلی سے تری دل کو لے تو چلا ہوں
جفا سے غرض امتحانِ وفا ہی

تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
میں پہونچوں گا جب تک یہ آتا رہے گا
تو کب تلک آزماتا رہے گا

قفس میں کوئی تم سے ای ہم صفیرو — خبر گل کی ہم کو سناتا رہے گا

خفا ہو کے ای درد مر تو چلا تو
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

جی میں ہی سیرِ عدم کیجیے گا — یک بیک خلق سے رم کیجیے گا
جور و قہر تو یاں ہم ہی ہیں — اور کس پر یہ کرم کیجیے گا
سخت بے باک ہی یہ خامۂ شوق — اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا
ٹک بھی گردوں نے اگر فرصت دی — عیش کو کشتۂ غم کیجیے گا
گرمیِ اشک سے مانندِ شراب — آب و آتش کو بہم کیجیے گا
سینہ و دل کے تئیں داغوں سے — رشکِ گلزارِ ارم کیجیے گا
قصد ہی قطع بطورِ مستاں — عرصۂ دیر و حرم کیجیے گا
پھر جب آوے گی جی میں جوں برق — راہ طے اک دو قدم کیجیے گا

شدتِ مہرِ بتاں دل سے آہ
درد کس طرح سے کم کیجیے گا

ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا — پر اُسے آہ نے اثر نہ کیا
سب کے ہاں تم ہوے کرم فرما — اس طرف کو کبھو گذر نہ کیا
کیوں بھویں تانتے ہو بندہ نواز — سینہ کس وقت میں سپر نہ کیا
کتنے بندوں کو جان سے کھویا — کچھ خدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا
دیکھنے کو رہے ترستے ہم — نہ کیا رحم تو نے پر نہ کیا
آپ سے ہم گذر گئے کب کے — کیا ہی ظاہر میں گو سفر نہ کیا

کونسا دل ہی وہ کہ جس میں آہ
خانہ آباد تو نے گھر نہ کیا

تجھ سے ظالم کے سامنے آیا
جان کا میں نے کچھ خطر نہ کیا

سب کے جوہر نظر میں آئے درد
بے ہنر تو نے کچھ ہنر نہ کیا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں جو پہونچا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں یہ پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

پرورش غم کی ترے یہاں تئیں تو کی دیکھا
کوئی بھی داغ تھا سینہ پہ کہ ناسور نہ تھا

محتسب آج تو میخانہ میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

درد کے ملنے سے ای یار برا کیوں مانا
اُس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا

اُن نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا

دیکھیے غم سے اب کے جی میرا
نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا

دل زمانے کے ہاتھ سے سالم
کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا

حال مجھ غم زدے کا جس تس نے
جب سنا ہوگا رو دیا ہوگا

دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا

یک بیک نام لے اُٹھا میرا
جی میں کیا اُس کے آگیا ہوگا

قطعہ

میرے نالوں پہ کوئی دنیا میں
بن کیے آہ کم رہا ہوگا

لیکن اس کو اثر خدا جانے — نہ ہوا ہوگا یا ہوا ہوگا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا — کسی بدخواہ نے کہا ہوگا

دل بھی ای درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا — میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
رکھتا ہوں ایسے طالع بیدار میں کہ رات — ہمسایہ میرے نالوں کی دولت نہ سو سکا
گو نالہ نارسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر — میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا
دشت عدم میں جا کے نکالوں گا جی کا غم — کنج جہاں میں کھول کے دل میں نہ رو سکا

جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر
تو بھی تو درد داغ جگر کو نہ دھو سکا

اندازہ وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا — زخمی جو ہو چکا ہو کسی کی نگاہ کا
زاہد کو ہم نے دیکھ لیا جوں نگیں بعکس — روشن ہوا ہی نام تو اس روسیاہ کا
ہر چند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں — لیکن عجب مزا ہی فقط دل کی چاہ کا
لیکن ازل سے تا بہ ابد ایک آن ہی — گر درمیاں حساب نہ ہو سال و ماہ کا
رحمت قدم نہ رنجہ کرے گر تری ادھر — یارب ہی کون پھر تو ہمارے گناہ کا
دل اس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی — ای بے خبر برا ہی یہ فرقہ سپاہ کا
شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں — نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا
سو بار دیکھیں میں نے تیری بے وفائیاں — تس پر بھی نت غرور ہی دل میں نباہ کا

ای درد چھوڑتا ہی نہیں مجھ کو جذب عشق
کچھ کہربا سے بس نہ چلے برگ کاہ کا

دل کس کی چشم مست کا سرشار ہو گیا — کس کی نظر لگی جو یہ بیمار ہو گیا

کچھ ہی خبر تجھے بھی کہ اُٹھ اُٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا

بیٹھا تھا خضر آکے مرے پاس ایک دم
گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہو گیا

چاکِ جگر تو سیکڑوں خاطر میں کچھ نہ تھے
دل کی تپش کے آگے میں ناچار ہو گیا

کھٹکی کبھو دلوں میں نہ تیری صدا جرس
نالہ مرا تو چھوٹتے ہی پار ہو گیا

ای دردؔ ہم سے یار ہی اب تو سلوک میں
خطِ زخمِ دل کو مرہمِ زنگار ہو گیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ادھر گزر کیا
ہم نے ہی اس جہان سے آخر سفر کیا

جن کے سبب سے دیر کو تو نے کیا خراب
ای شیخ اُن بتوں نے مرے دل میں گھر کیا

تیرے سبب سے اور بھی مجھ پر غضب ہوا
ای نالہ واہ! خوب یہ تو نے اثر کیا

کم فرصتی نے ہستی بے اعتبار کی
شرمندہ تیرے آگے ہمیں ای شرر کیا

پیکانِ دل کے ساتھ ہوا جب معانقہ
سینہ سے تب خدنگ نے تیرے گزر کیا

روتا ہی گرم جوشی می یاد کرکے دردؔ
آتش نے مجھ کو شمع کے مانند تر کیا

شب گزری اور آفتاب نکلا
تو گھر سے بھلا شتاب نکلا

ای آتشِ عشق جس کو ہم یاں
دل سمجھے تھے سو کباب نکلا

ادھر کو جو مسکرا کے دیکھا
کچھ تو جی سے حجاب نکلا

ہرچند کیے ہزار نالے
پر دل سے نہ اضطراب نکلا

میخانۂ عشق میں تو ای دردؔ
تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک دل متوطن ہی سفر کا
معلوم نہیں اس کا ارادہ ہی کدھر کا

جوں چاہیے اُس طرح بیاں ہم سے نہ ہوگا
کر اپنے دہن سے ہی تو وصف اپنی کمر کا

آزاد کسی کی بھی اٹھاتے نہیں منت
نے خونِ جگر داغ تو مرجھا ہی چلے تھے

دیکھا نہ کسو سرو کو تہ بارِ ثمر کا
ہوتا نہ اگر چشمہ مرے دیدۂ تر کا

کہسار پہ ہر سنگ یہ کہتا تھا پکارے
ای درد مقر ہوں ترے نالوں کے اثر کا

ٹھہر جا ٹک بات کی بات ای صبا
لے نہ جاوے حرص اہلِ فقر کو
رات جب پہونچا میں اس کے روبرو
کھل گیا جو کچھ کہ تھا - ای نیستی!

کوئی دم کو تا ہم بھی ہو لیتے ہیں ہوا
بہ سکے کب موجِ نقشِ بوریا
جوں زبانِ شمع گم تھا مدعا
ہستیٔ موہوم کا یاں افترا

درد میری تیرہ بختی کے تئیں
ڈھونڈھیو ہمسایۂ ظلِ ہما

کھلا دروازہ میرے دل پہ از بس اور عالم کا
بلند و پست سب ہموار ہیں اپنی نگاہوں میں
گلستانِ جہاں کی دید کیجے چشمِ عبرت سے
چمن میں باغباں سے صبح کو کہتی تھی یہ بلبل

نہ اندیشہ ہی شادی کا مجھے نی فکر ہی غم کا
برابر ساز میں ہوتا ہی جوں سُر زیر اور بم کا
کہ ہر ایک سرو قد ہی اس چمن میں نخل ماتم کا
گلوں کے منہ پہ یوں پڑھتی ہی دیدہ دیکھ شبنم کا

نہیں مذکورِ شاہاں درد ہرگز اپنی مجلس میں
کبھو کچھ ذکر آیا بھی تو ابراہیم ادہم کا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا

بس ہجومِ یاس - جی گھبرا گیا
پر وہ کیا کچھ ہی کہ جی کو بھا گیا

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری
جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

میں نے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

پی گئی کتنوں کا لوہو تیری یاد
غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

مٹ گئی تھی اُس کے جی سے تو جھجک
درد کچھ بک بک کے تو چونکا گیا

دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا
پر مُنہ پھر اس طرف نہ کیا اُس نے جو گیا

پھرتی ہے میری خاک صبا در بدر لیئے
اے چشمِ اشکبار یہ کیا تجھ کو ہو گیا

آگاہ اس جہاں سے نہیں غیر بیخوداں
جاگا وہی ادھر سے جو موند آنکھ سو گیا

طوفانِ نوح نے تو ڈبائی زمیں فقط
میں ننگِ خلق ساری خدائی ڈبو گیا

برہم کہیں نہ ہو گل و بلبل کی آشتی
ڈرتا ہوں آج باغ میں وہ تند خو گیا

واعظ کسے ڈرائے ہے یوم الحساب سے
گریہ مرا تو نامۂ اعمال دھو گیا

پھوٹے گی اس زبان میں بھی گلزارِ معرفت
یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا

آیا نہ اعتدال پہ ہرگز مزاجِ دہر
میں گرچہ گرم و سرد زمانہ سمو گیا

اے درد جس کی آنکھ کھلی اس جہان میں
شبنم کی طرح جان کو اپنی وہ رو گیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ
کہ جس کو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
حجابِ رخِ یار تھے آپ ہم ہی

کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
اِدھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا

شب و روز ای درد درپے ہو اس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

نشہ کیا جانے وہ کہنے کو مے آشام ہی شیشا
صراحی و کدو تنک ظرف ای ساقی بھرے لے ہی
شب و روز اس طرح گزرے ہی اپنی تو نہ پوچھ کچھ
نگاہِ مست ان آنکھوں کی ٹک ایدھر بھی ہو ساقی

جہاں میں دخترِ رز سے عبث بدنام ہی شیشا
مگر اپنا ہی خالی جوں دلِ ناکام ہی شیشا
صراحی صبح کو گر ہاتھ ہی تو شام ہی شیشا
کہ ہم کم حوصلہ کے حق میں ہر اک جام ہی شیشا

نہ ہو گل گل شگفتہ کیونکہ دل ای درد مستوں کا
مے گلگوں کی دولت سر بسر گلفام ہی شیشا

تو بن کہے گھر سے کل گیا تھا
اب دل کو سنبھالنا ہی مشکل
آنسو مرے جن آنکھوں نے پونچھے
پھر ہونے لگا یہ دل تو بے چین
بارے پھر مہرباں ہوا ہی
شب ٹک جو ہوا تھا وہ ملایم

اپنا بھی تو جی نکل گیا تھا
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا
کل دیکھ رقیب جل گیا تھا
کتنے روز وں بہل گیا تھا
نے طرح سے کچھ بچل گیا تھا
اپنا بھی تو جی پگھل گیا تھا

میں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹھ اس کا بھی کچھ ہل گیا تھا

یوں ہی ٹھہری کہ ابھی جایئے گا
پھر شتابی تو بھلا آیئے گا

جی کی جی ہی میں نہ رکھ جایئے گا
بات جو ہو گی سو فرمایئے گا

رخ ہمارا بھی اگر پایئے گا
تو تو منہ اپنا بھی دکھلایئے گا

میں جو پوچھا کبھو آوگے کہا
جی میں آ جائے گا تو آیئے گا

کیونکر گزرے گی بھلا دیکھوں ہوں
گر اسی طرح سے شرمایئے گا

میں خدا جانے یہ کیا دیکھوں ہوں
آپ کچھ جی میں نہ بھرمایئے گا

میرے ہونے پہ عبث رکتے ہو
پھر کبھی بھی تو گھبرایئے گا

پوچھ کر حال تو پھر سنتے نہیں
بس مجھے اور نہ بکوایئے گا

کہیں لوگوں میں بھلا ہم کو بھی
پھرتے چلتے نظر آجایئے گا

زلف میں دل کو تو الجھاتے ہو
پھر اسے آپ ہی سلجھایئے گا

خدمت اوروں ہی کو فرماتے ہو
کبھو بندے کو بھی فرمایئے گا

قتل تو کرتے ہو مجھکو لیکن
بہت سا آپ ہی پچھتایئے گا

حرم و دیر تو ہم چھان چکے
کہیں اس کا بھی نشاں پایئے گا

دردؔ ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھایئے گا

بظاہر کہیں غنچۂ دل سے ملا تھا
کل اس کا گریبان و دست قضا تھا

تمنا مرخص ہوئی ناامیدی
یہ کیا ہو گیا اور مرے دل میں کیا تھا

جو اس طرح غیروں سے ملتا پھرے ہی
کبھی تو ہمارا بھی وہ آشنا تھا

کہا میں مرا حال تم تک بھی پہونچا
کہا تب اچنبا سا کچھ میں سنا تھا

برائی تری کچھ نہیں بات کیا ہے
مرا دل ہی یہ میرے حق میں برا تھا

تم آ کر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے | نگاہوں میں جادو سا کچھ کر دیا تھا

بلائیں جو کچھ اس کے ملنے سے دیکھیں
نہ ملتے تو اے درد اس سے بھلا تھا

اپنا تو نہیں یار میں کچھ یار ہوں تیرا | تو جس کی طرف ہووے طرفدار ہوں تیرا
کڑھنے پہ مرے جی نہ کڑھا تیری بلا سے | اپنا تو نہیں غم مجھے غمخوار ہوں تیرا
تو چاہے نہ چاہے مجھے کچھ کام نہیں ہے | آزاد ہوں اس سے بھی گرفتار ہوں تیرا
تو ہووے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم | تو گل ہے مری جان تو میں خار ہوں تیرا
ہے عشق سے میرے ہی ترے حسن کا شہرہ | میں کچھ نہیں پر گرمیِ بازار ہوں تیرا
میری بھی طرف تو کبھی آ جا مرے یوسف | بوڑھیا کی طرح میں بھی خریدار ہوں تیرا

اے درد مجھے کچھ نہیں اب اور تو آزار
اُس چشم سے کہدینا کہ بیمار ہوں تیرا

تو کب تئیں مجھ ساتھ مری جان ملے گا | ایسا بھی کبھو ہوگا کہ پھر آن ملے گا
چل لیجے کہیں اُس جا پہ کہ ہم تم ہوں اکیلے | گوشہ نہ ملے گا کوئی میدان ملے گا
شیوہ نہیں اپنا تو عبث ہرزہ یہ بکنا | کچھ بات کہیں گے جو کوئی کان ملے گا
رو بیٹھے گا میری ہی طرح دین کو اپنے | کافر جو ترے ساتھ مسلمان ملے گا
نزدیک ہی پر اپنے بلانے سے کب آوے | مل جاے گا تو دور سے پہچان ملے گا
یوں وعدے ترے دل کی تسلّی نہیں کرتے | تسکین تبھی ہووے گی تو جس آن ملے گا

اے درد کہا میں نے ملو جس سے کہ چاہو
کہنے لگا تجھ سا کوئی انسان ملے گا

سحر ہوتے ہی اُٹھ کر وہ جو گھر سے باہر آ نکلا / اُدھر ہی اتفاقاً پھرتے پھرتے میں بھی جا نکلا
مرے دل کو جو تو ہر دم بھلا اتنا ٹٹولے ہے / تصور کے سوا تیرے بتا تو اس میں کیا نکلا
میں اپنا حال کہہ سارا جو پوچھا وعدہ آنے کا / کہا سن سن کے سب باتوں کو آخر مدعا نکلا
مری تعریف کی تھی اس سے بعضوں نے سو وہ سن کر / لگا کہنے جو سنتے تھے وہ اپنا آشنا نکلا

ملے ہی درد اُس کے ساتھ تو دیکھا غریبی سے
گھمنڈ اُس کے جو تھا جی میں سو اب تنہا یہ گیا نکلا

ترے کہنے سے میں ازبسکہ باہر ہو نہیں سکتا / ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا
کہا جب میں ترا بوسہ تو جیسے قند ہے پیارے / لگا تب یہ کہنے پر قندِ مکرر ہو نہیں سکتا
دلِ آوارہ اُلجھے یاں کسو کی زلف سے یارب / علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا
مری بے صبریوں کی بات سن سب سے وہ کہتا ہے / تحمل مجھ سے بھی تو حال سن کر ہو نہیں سکتا
کرے کیا فائدہ ناچیز کو تقلید اچھوں کی / کہ جم جانے سے کچھ اولا تو گوہر ہو نہیں سکتا
نہیں چلتا ہے کچھ اپنا تو تیرے عشق کے آگے / ہمارے دل پہ کوئی اور تو ڈر ہو نہیں سکتا
ق
کہا میں یوں تو مل جاتے ہو آ کر بعد مدت کے / اگر چاہو تو یہ کیا تم سے اکثر ہو نہیں سکتا
لگا کہنے سمجھ اس بات کو ٹک تو کہ جلد اتنا / ترے گھر آنے جانے میں مرا گھر ہو نہیں سکتا

بچوں کس طرح میں اے درد اُس کی تیغ ابرو سے
کہ جس کے سامنے آ کوئی جاں بر ہو نہیں سکتا

جب تک ہے دل کے شیشے میں رنگ امتیاز کا / ہے اے پری تجھی تئیں آئینہ ناز کا
جس کے جناب کے یہ سبھی ناز ہیں نیاز / دامن ہی ہاتھ میں مرے اُس بے نیاز کا
ہے کوتہی اجل کی طرف سے ہی ورنہ میں / اک عمر سے اسیر ہوں زلفِ دراز کا

ای درد اس جہان میں آکر صدائے غیب
بے پردہ ہووے جس سے وہ پردہ ہی ساز کا

گل و گلزار خوش نہیں آتا
ای جنوں جیب ہیں ترے ہاتھوں
کیا جفا کے سوا تجھے کچھ اور

باغ بے یار خوش نہیں آتا
ایک بھی تار خوش نہیں آتا
ای ستمگار خوش نہیں آتا

درد ہم کو یہ رات دن تیرا
نالۂ زار خوش نہیں آتا

بھرا مے سے نہیں یہ نور سے معمور ہی شیشا
شتابی میکدہ میں آ کہیں تجھ بن کہ ای ساقی
بغل میں اپنی بیٹھا ہی لیئے یہ دختر رز کو

تجلی پر نظر کر اُس کی کو وہ طور ہی شیشا
پڑا ہی جام نے کیفیت و مخمور ہی شیشا
نہ پوچھو اُس کو مینا۔ دانۂ انگور ہی شیشا

بچا پایا محتسب کے ہاتھ سے ای درد میں لیکن
مرے دل کی طرح میری بغل میں چور ہی شیشا

ای شانہ تو نہ ہو، جو۔ دشمن ہمارے جی کا
پھیلا ہی کفر یاں تک کافر ترے سبب سے
گذرا تھا بعد مدت وہ سامنے سے ہوکر
جوں شمع تو نے جیدھر نظریں اٹھا کے دیکھا

کہیں دیکھیو نہ ہووے زلفوں کا بال بیکا
شمع حرم بھی دے ہی ماتھے پہ اپنے ٹیکا
ای کوتہی نالہ یہ وقت تھا گئی کا؟
پروانہ وار جی ہی جاتا رہا گئی کا

تو بھی نہ اگر ملا کرے گا
اپنی آنکھوں اُسے میں دیکھوں

عاشق، پھر جی کے کیا کرے گا
ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

اگر ہیں یہی ڈھنگ تیرے ظالم — دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

ر

اہلِ زمانہ آگے بھی تھے اور زمانہ تھا — پر اب جو کچھ ہی یہ تو کسو نے سنا نہ تھا
چسکا عیش نہیں کوئی غنچہ چمن میں-آہ! — ای نوسنِ بہار تجھے تازیانہ تھا
باور نہیں ابھی سے تجھے غافل یہ عنقریب — معلوم ہووے گا کہ یہ عالم فسانہ تھا

حال یہ کچھ تو ہی اب دل کی توانائی کا — کہ یہ طاقت نہیں لوں نام شکیبائی کا
ای شبِ ہجر نہیں ہی یہ سیاہی تیری — خون گردن پہ ترے ہی کسی سودائی کا
نام سنتا نہیں زاہد تری حرمت کا کوئی — شور ایسا ہی جہاں میں مری رسوائی کا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و میخانہ — مثالِ زندگی بھر لے اب اپنا آپ ہی پیمانہ
کسو سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حالِ ابتر کو — دل اُس کے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا
نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجودِ خلایق ہی — کوئی کعبہ سمجھتا ہی کوئی سمجھے ہی بُت خانا

ای شمع رو ہر بسکہ ترا انتظار تھا — میں ایک سا ہی شعلہ صفت بے قرار تھا
ظالم یہ صید دل سرِ فتراک سے ترے — اس وقت سے بندھا ہی کہ تو نی سوار تھا
مدت کے بعد خط سے یہ ظاہر ہوا کہ عشق — تیری طرف سے حُسن کے دل میں غبار تھا

وہ دن کدھر گئے کہ ہمیں بھی فراغ تھا — یعنی کبھو تو اپنے بھی دل کا دماغ تھا
جلتا ہی اب پڑا خس و خاشاک میں ملا — وہ گل کہ ایک عمر چمن کا چراغ تھا
گزراں ہوں جس خرابے پہ کہتے ہیں واں کے لوگ — ہی کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا

رباعیات

کچھ کشش نے تری اثر نہ کیا
تشنگی اور بھی بھڑکتی گئی

تجھ کو اے انتظار دیکھ لیا
جوں جوں میں اپنے آنسوؤں کو پیا

زلفوں میں کسو کی جو گرفتار نہ ہوتا
مرنا ہی لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں

کچھ کام مجھے تجھ سے شب تار نہ ہوتا
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ایک تو ہوں شکستہ دل تس پہ یہ جور یہ جفا
جان کے بدلے میرے ساتھ وعدہ اک نگاہ تھا

سختی عشق واہ وا! جی نہ ہوا ستم ہوا
سو بھی نہ تجھ سے ہو سکا مفت ہی مفت جی لیا

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا
جوں غنچہ بجز اک دل صد چاک نہ پایا

جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا
منہ ڈال کے جب اپنے گریبان میں دیکھا

ناصح ہیں دین و دل کے تئیں اب تو کھو چکا
زاہد کیا کرے ہے وضو گو کہ روز و شب

حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا
چاہے کہ دل سے دھوے کدورت سو دھو چکا

مذکور جانے بھی دو ہم دل تپیدگاں کا
موج نسیم کو ہے زنجیر بوئے گل کی

احوال کچھ نہ پوچھو آفت رسیدگاں کا
دامن نہ چھو سکے پر از خود رمیدگاں کا

افراد

دیکھ کر حال پریشاں عاشق ناشاد کا

یاں کے معشوقوں نے رسم زلف اب دی ہے اٹھا

محبت نے ہم کو ثمر جو دیا
سو یہ ہی کہ سب کام سے کھو دیا

شکوہ تجھے کس سے ہی گلہ کس سے یہ ٹھانا
مانند فلک اپنی ہی گردش ہی زمانہ

ہم نے چاہا بھی پر اس کوچہ سے آیا نہ گیا
واں سے جوں نقشِ قدم دل تو اٹھایا نہ گیا

فلک پر کون کہتا ہی گزر آہِ سحر کرنا
جہاں جی چاہے واں پر جا کسی دل ہی اثر کرنا

غل مری زنجیر نے رفتار میں ایسا کیا
حشر کو بھی شور جو ہونا نہ تھا برپا کیا

بیوپار خلق کرتی ہی اپنے کمال کا
یہ آئینہ ہی جلوہ فروش اس جمال کا

خط کے آنے سے ہوا معلوم جانا حسن کا
نوخطوں نے اب نکالا پیش خانہ حسن کا

مخالف کٹ گئے سنتے ہی مجلس میں سخن میرا
زباں کا اب ہوا معلوم جوہر تیغ ہی گویا

بارے مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا
پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا

گلہ کرتا نہیں کچھ میں تری نامہربانی کا
مجھے شکوہ ہی اے ظالم اپنی سخت جانی کا

رسوائیاں اٹھائیں جور و عتاب دیکھا
عاشق تو ہم ہوئے پر کیا کیا عذاب دیکھا

آشیانے میں درد بلبل کے
آتشِ گل سے آج پھول پڑا

ردیف (ب)

۱۵

تھا عدم میں بھی مجھے اک پیچ و تاب
مضطرب ہوں جس طرح موجِ سراب

نے بضاعت ہیں سب اہلِ رزق بق
چشمۂ خورشید میں کیدھر ہی آب

موت ہی آسایشِ افتادگاں
چشمِ نقشِ پا کو مٹ جاتا ہی خواب

کیوں نہ ہو شرمندہ روئے زمیں
سیلِ اشک ایسا نہیں خانہ خراب

ہے تنک ظرفوں کو بیجا مے کشی
جام مرکب ہو سکے جام حباب

چل نہ جاویں ہیں جو صاحب حوصلہ
پاے خم لغزش میں کب ہووے شراب

ہنستے ہیں کوئی کبھو دل مردگاں
گور کے لب پر تبسم کیا حساب

مے کشاں کرنے لگے محنت کشی
درد ہوتا ہے دل یاراں کباب

ردیف (ت)

وہ مو کمر کہیں تو ہوا بے حجاب رات
تھا مثل زلف دل کو عجب پیچ و تاب رات

ہم روسیاہ دن کو تو کیا منہ دکھا سکیں
چوں شمع چاہتے ہیں کہ ہووے شتاب رات

تیری گلی میں اے بت بے مہر دن کی طرح
لایا تھا پھر مجھے دل خانہ خراب رات

واں تم تو اپنے خوش رہے ہو گئے بیکیا کہاں
گزرا ہے میرے جی پہ جو کچھ یاں عذاب رات

تو شام سے جو اے مرے خورشید رو گیا
انجم کی طرح آیا نہ آنکھوں میں خواب رات

میرے گناہ آتے ہیں کوئی شمار میں
اے درد میں نے جی میں کیا تھا حساب رات

زاہد اگر نہیں کی تو نے کسو سے بیعت
پیر مغاں کہاں کر دست سبو سے بیعت

زلف بتاں سے کہنا ہے وقت دستگیری
اس سلسلہ میں کی ہے دل نے کسو سے بیعت

گو کھینچ کھینچ چلے جان اپنی شیخ کھو دے
کوئی زندہ دل کرے ہے اس مردہ شو سے بیعت

ردیف چ

جائیے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ
اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

آئینہ کی طرح غافل کھول چھاتی کے کو اُٹھ
دیکھ تو ہی کون بارے تیر سکا شانے کے بیچ

سیرِ باغ و بوستاں تو ہی میسّر ہر گھڑی
آئیگا ہے فقیروں کے بھی کاشانے کے بیچ

جو مزے ہیں مرگ میں سو ہم سے پوچھا چاہیے
کون جانے آہ کیا لذّت ہے مر جانے کے بیچ

عقدۂ دل کھول مثلِ قطرہ ناداں کب تلک
جوں گہر غلطاں سہے گا آبِ دُردانے کے بیچ

پیچ و تاب اتنا جو ہی یاں اس دلِ صد چاک کو
زلف اُلجھی ہی کسو کی ظاہرا شانے کے بیچ

بختِ خواب آلود نے میرے سلایا اس کو دردؔ
ورنہ چھونکا تھا ہی افسوں میں نے افسانے کے بیچ

مذکور جب چلے ہی مرا انجمن کے بیچ
کچھ آپ ہی آپ سوچ وہ رہتا ہی من کے بیچ

اے بے خبر تو آپ سے غافل نہ بیٹھ رہ
جوں شعلہ یاں سفر ہی ہمیشہ وطن کے بیچ

تجھ کو نہیں ہی دیدۂ بینا وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہی آن کے ہر پیرہن کے بیچ

سودا اگرچہ دردؔ تو خاموش ہی ولے
جوں غنچہ سَو زباں ہیں اُس کے دہن کے بیچ

دردؔ جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ
چھپ رہا ہوگا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

ردیف (ر)

کیونکر میں خاک ڈالوں سوزِ دلِ تپاں پر
مانند شمع میرا کب حکم ہی زباں پر

میں کس طرح بتوں کے لا سامنے جھکا دوں
دل تو دماغ اپنا کھینچے ہی آسماں پر

کب اختیار اپنا جوں گل ہی اس چمن میں
گلچیں سے کیا چلے ہی کیا زور باغباں پر

چاہے کہ بات جی کی منہ پہ نہ میرے آوے
اپنے دہن کو لا کر رکھدے مرے دہاں پر

میں جانتا نہیں ہوں بیٹھے بٹھائے یارب
یوں آپڑی کہاں سے آفت یہ میری جاں پر
تارِ نگہ پہ دل یاں دونوں طرف سے دوڑے
دو نٹ مقابل آویں جس طرح ریسماں پر

ای دردؔ یار جیسا ہووے سو ہی غنیمت
اتنا بھی جی نہ رکھیے ہر وقت امتحاں پر

ساقی ہی چڑھا آج تو یہ رنگ گھٹا پر
شیشہ ہو گرے پھینکیے گر سنگ ہوا پر
ہی اور ہی جلوے کی غرض بوقلمونی
یہ قوس قزح کا نہیں نیرنگ ہوا پر
گھبرا کے دل تنگ جو کوئی سانس نکالے
اک دم میں ہو عرصہ تو ابھی تنگ ہوا پر
جوں کاغذ بادِ اہل ہوس بیچ میں ہیں گے
رہتی ہی سدا ان کے تئیں جنگ ہوا پر
مانندِ جہاں آہ تنکِ ظرف جہاں کے
یاں کرتے ہیں سر کھینچنے کے ڈھنگ ہوا پر

ہر دم دلِ بیتاب مرا درد کرے ہی
جوں نغمہ نکل آوے گا آہنگ ہوا پر

اس قدر تھا یا کرم یا ظلم رانی اس قدر
مہربانی اس قدر نامہربانی اس قدر
جان کو تنے دے لب تک نزع میں کب تک ہوں
دشمنی مجھ سے نہ کر ای ناتوانی اس قدر
کیا کہوں دل کا کسو سے قصہ آوارگی
کوئی بھی نسبت ربط ہوتی ہی کہانی اس قدر

دردؔ تو کرتا ہی معنی کے تئیں صورت پذیر
دست رس رکھتے تھے کب بہزاد مانی اس قدر

مشہور خلق میں نہیں اپنے کمال کر
بکتا ہوں مثل آئنہ اور ہی جمال کر
آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھی تر ہوئیں نہیں
ٹک تو ہی ای جبین عرق انفعال کر

حیرت ہی یہ کہ تجھ سے ستمگر کے ہاتھ ہیں
آنکھوں نے دل کو کیونکر دیا دیکھ بھال کر

اے درد کر ٹک آئینۂ دل کو صاف تو
پھر ہر طرف نظارۂ حسن و جمال کر

فرد

ہنس قبر پہ میری کھل کھلا کر
یہ پھول چڑھا کبھی تو آ کر

ردیف (ز)

کیا ہوا مر گئے آرام ہی دشوار ہنوز
جی میں تڑپے ہی پڑی حسرتِ دیدار ہنوز

ہر لب زخم نمک سود ہی گو مثلِ سحر
شکوہ آلود نہیں پر لبِ اظہار ہنوز

کر چکا اپنی سی عیسیٰ بھی تو پر کیا حاصل
ہیں گے ویسے ہی تری چشم کے بیمار ہنوز

موڑیو منہ نہ ابھی سوزنِ مژگاں ہم سے
ٹانکے زخموں میں تو ہیں کتنے ہی درکار ہنوز

ہی خیال اس کی ہی زلفوں کا دم آخر بھی
بندہ رہا ہی مری نظروں میں وہی تار ہنوز

اور تو چھوٹ گئے مر کے بھی اے کنجِ قفس
ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز

یار جاتا تو ہا نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتی ہی مرے درد وہ رفتار ہنوز

لیتا نہیں کبود کی اپنے عناں ہنوز
پھرتا ہی کس تلاش میں یہ آسماں ہنوز

ہی بعدِ مرگ بھی وہی آہ و فغاں ہنوز
لگتی نہیں ہی تالو سے میری زباں ہنوز

موجود پوچھتا نہیں کوئی کسو کے تئیں
توحید تو بھی ہوتی نہیں ہی عیاں ہنوز

سو سو طرح کی ہجر میں کھینچتی ہی جاں کنی
مرتا نہیں ہوں تو بھی تو میں سخت جاں ہنوز

ہر چند کہنہ سال ہی دنیا تو کس قدر
آتی ہی پر نظر میں سبھوں کی جواں ہنوز

کعبے میں درد آپ کو لایا ہوں کھینچکر
دل سے گیا نہیں ہی خیالِ بتاں ہنوز

رباعی

کوہ کن سے نہ بول ای پرویز
اس کے تیشہ کی بھی زباں ہی تیز

ساقی اب سب پکارتے ہیں گے
تیرے ہاتھوں سے یاں بہ پرہیز پرہیز

بر میں مرے وہ سیمبر آیا نہیں ہنوز
مقصود میرے دل کا بر آیا نہیں ہنوز

ردیف (س)

نہ کیا تو نے ایک بار افسوس
حال پر میرے صد ہزار افسوس

جو کہ ہونا تھا دل پہ ہو گزرا
نہ کر ای درد بار بار افسوس

ردیف (ط)

کرتا رہا میں دیدۂ گریاں کی احتیاط
پر ہو سکی نہ اشک کے طوفاں کی احتیاط

خارِ مژہ پڑے ہیں مری خاک میں ملے
ای دشت اپنے کیجیو داماں کی احتیاط

جوشِ جنوں کے ہاتھ سے فصلِ بہار میں
گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط

تیرے ہی دیکھنے کے لیے آئینہ کی طرح
دل کے تئیں گرہ سے کبھو کھولتی نہیں

کرتا ہوں اپنے دیدۂ حیراں کی احتیاط
ہر زلف کو بھی اپنے پریشاں کی احتیاط

داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے درد پرورش
ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

ردیف (غ)

لایا نہ تھا جو آج نہیں ہاتھ سو سے تیغ
نا چار مجھ سے اس سے تو قطع کلام ہے
کیجے نہ قتل اہلِ وفا جتنے ہیں یہ سب
جانباز اور بھی ہیں پرا ابروان یار
پیاسی مرے لہو کی وہ رہتی ہے دم بدم
کوئی مزا جداں نہ ہوا آج تک۔ مگر

وابستہ میرے قتل سے تھی آبروے تیغ
کرتا نہیں وہ بات سوا گفتگوے تیغ
مارے کہیں نہ کھلنے لگے جستجوے تیغ
میری طرح نہ ٹھہرے کوئی آبروے تیغ
برلائیے کبھو تو میاں آرزوے تیغ
اک اس کی خوے تند سے ملتی ہے خوے تیغ

اے درد۔ مثلِ زخم زمانے کے ہاتھ سے
دیکھا نہ آنکھ کھول کے ہم غیر روے تیغ

ردیف (ف)

اے درد ایک خلق ہے جانانہ کی طرف
لازم نہیں کھینچے دلِ دیوانہ کی طرف

ردیف (ک)

پیغامِ یاس بھیج نہ مجھ سے قرار تک — ہوں نیم جان سو بھی ترے انتظار تک

دے وہ شراب ساقی کہ تا روزِ رستخیز — جس کے نشے کا کام نہ پہونچے خمار تک

صیاد اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو — پھر کس کو زندگی کی توقع بہار تک

نے قدر مے کشی ہوئی عالم میں یاں تئیں — ہر صرفِ شیشہ شیخ کے سنگِ مزار تک

راہِ عدم میں دوڑ دیں اتنا ہوں جلد رَو
پہونچا صبا کا ہاتھ نہ میرے غبار تک

رباعیات

پھرتا رہا میں سعی میں اک عمر جوں فلک — بختِ سیاہ پر نہ پھرے میرے اب تلک

چونکا ہوں درد جب سے اسے دیکھ خواب میں — لگتی نہیں ہے تب سے پلک سے مری پلک

نہیں میرے تئیں کسی کا باک — اب گریباں ہے ہاتھ اور چاک

گرد تو ہو گئے ترے عاشق — کیا ستم ہو زیادہ اس سے خاک

ردیف (ل)

کچھ دل ہی باغ میں نہیں تنہا شکستہ دل — ہر غنچہ دیکھتا ہوں تو ہے گا شکستہ دل

ہاتھوں سے محتسب کے ہیں اب میکدہ کے بیچ — ساغر شکستہ خاطر و مینا شکستہ دل

شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل
یارب درست گو نہ رہوں تیرے عہد پہ
کی جس کی جوں حباب زمانے نے دل دہی
لازم ہے گوشۂ شکن زلف میں تری

گل کو شگفتہ دل کہو تم یا شکستہ دل
بندہ سے پر نہ ہو کوئی بندا شکستہ دل
چھوڑا نہ پھر اُسے نہ کیا تا شکستہ دل
ظالم کوئی پڑا رہے مجھسا شکستہ دل

سب خون دل ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
اے درد بسکہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

بارے یہ داغِ عشق ہوا شہریارِ دل
تیری کہیں گلی کے گیا تھا خیال میں

مدت سے نے چراغ پڑا تھا دیارِ دل
کرتا ہوں اب تلک میں پڑا انتظارِ دل

اُٹھتا ہے بعد مرگ بھی مانند گردباد
اے درد خاک سے مری اب تک غبارِ دل

ردیف (م)

حیران آئینہ وار ہیں ہم
پانی پہ نقش کب ہے ایسا
ساقی کیدھر ہے کشتی مے
جی بھی پینا کبھو نہ اپنا
اوروں کے گو ہیں سرمۂ چشم
کوئی کیونکر نظر میں لاوے
آتش میں ہیں۔ پہ مثلِ شعلہ

کس سے یارب دوچار ہیں ہم
جیسے ناپائدار ہیں ہم
اب کے کھیوے میں پار ہیں ہم
اتنے زار و نزار ہیں ہم
اپنے دل کے غبار ہیں ہم
رشکِ چشمِ شرار ہیں ہم
از سر تا پا بہار ہیں ہم

چشمِ عبرت سے دیکھ ادھر — نقشِ لوحِ مزار ہیں ہم
جیدھر گزرے پھرے ادھرے — آوازۂ کوہسار ہیں ہم
از بس کہ ہیں محوِ لا تعین — ہر جا سے اعتبار ہیں ہم
مجنوں ہو خواہ کوہکن ہو — عاشق کے دوستدار ہیں ہم
اپنے ملنے سے منع مت کر — اس میں بے اختیار ہیں ہم
ق
یوں تو عاشق بہت ہیں لیکن — اس طور کے کتنے یار ہیں ہم

مجنوں. فرہاد. درد. وامق
ایسے یہ دو ہی چار ہیں ہم

ابکی ترے در سے گر گئے ہم — پھر یہ بھی سمجھ کہ مر گئے ہم
جوں نورِ نظر ترا تصور — تھا پیشِ نظر جدھر گئے ہم
جز اہلِ صفا بتا تو جوں عکس — ای آئنہ کس کے گھر گئے ہم
کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے — معلوم نہیں کدھر گئے ہم
ق
تھا عالمِ جبر کیا بتائیں — کس طور سے زیست کر گئے ہم
جس طرح ہوا اسی طرح سے — پیمانۂ عمر بھر گئے ہم

افسوس کہ درد اس کو جب تک
ہووے ہی خبر گزر گئے ہم

کچھ لا سے نہ تھے کہ کھو گئے ہم — تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جوں آئنہ جس پہ یاں نظر کی — ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم
ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر — اپنے تئیں آپ رو گئے ہم

هستی نے تو ٹک جگا دیا تھا | پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

یاروں ہی سے درد ہے یہ چرچا
پھر کوئی نہیں ہے جو سے گئے ہم

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم
عرق کی بوند اس کی زلف سے رخسار پر ٹپکی
ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا
کرے ہی کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی
بھلا ٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیویں گے
نہیں اسباب کچھ لازم سبکساروں کے اٹھنے کو
نہ پایا جو گیا اس باغ سیں اصلا سراغ اس کا

بہار باغ تو یوں ہی رہی لیکن کدھر شبنم
تعجب کی ہے جا گہ یہ پڑی خورشید پر شبنم
ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم
ہوئی آتش سی گل کے بیٹھتے رشک شرر شبنم
کسی عاشق کے رونے سے نہیں رکھتی خبر شبنم
گئی اڑ دیکھتے اپنے بغیر از بال و پر شبنم
نہ پلٹی پھر صبا ادھر نہ پھر آئی نظر شبنم

نہ سمجھا درد ہم نے بھید یاں کی شادی و غم کا
سحر خنداں ہے کیوں روتی ہے کس کو یاد کر شبنم

رباعی

کیا کہیں سو سے فنا کس طور کر جاتے ہیں ہم
شمع کے مانند سر کے بل ادھر جاتے ہیں ہم
ہر کسے جوں شعلۂ ظالم آہ تاب انتظار
جب تلک دیکھے ادھر تو یاں گزر جاتے ہیں ہم
خلق میں ہیں پر جدا سب خلق سے رہتے ہیں ہم
تال کی گنتی سے باہر جس طرح رو پک میں سم

ردیف (ن)

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں | یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

بسانِ کاغذِ آتش زدہ مرے گلرو
سو تیرے جلے بجھنے اور ہی بہار رکھتے ہیں

کسو نے ہم سے کیا وعدہ ہم آغوشی
کہ مثلِ بحر سراسر کنار رکھتے ہیں

ہمیشہ فتح نصیبی ہمیں نصیب رہے
جو کچھ کہ اپنے ہی جی میں سو مار رکھتے ہیں

بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ!
سب اہلِ قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

جہاں کے باغ سے ہم دل سوا نہ پھل پایا
فقط یہی ثمرِ داغدار رکھتے ہیں

اگرچہ دخترِ رز کے ہے محتسب درپے
جو ہو سو ہو پر اسے اب تو یار رکھتے ہیں

برنگِ شعلہ غمِ عشق ہم سے روشن ہے
کہ بے قراری کو ہم برقرار رکھتے ہیں

ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگیِ مستعار رکھتے ہیں

فلک سمجھ تو سہی ہم سے اور گلوگیری
یہ ایک جیب ہے سو تار تار رکھتے ہیں

بتوں کے جبر اُٹھائے ہزار ہا ہم نے
جو اس پہ بھی نہ لیں اختیار رکھتے ہیں

بھری ہے آ کے جنوں میں ہوائے آزادی
حباب وار کلہ بھی اُتار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں نہ شرر ہم نہ شعلہ نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

جنوں کے دل میں جگہ کی ہے نقشِ عبرت نے
سدا نظر میں وہ لوحِ مزار رکھتے ہیں

ہر ایک سنگ میں ہے شوخیِ بتاں پنہاں
تنک ہیں سب یہ دل میں شرار رکھتے ہیں

وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں رہتا
اگرچہ دردؔ اُسے ہم ہزار رکھتے ہیں

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گل تو مرے ساتھ اختلاط
پر آہ میں تو موجِ نسیمِ وزیدہ ہوں

چاہے ہی یہ مری تپشِ دل کہ بعدِ مرگ
کُنجِ مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

ای درد جا چکا ہی مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

آہ مشتاق ترے مفت موے جاتے ہیں
اک نظر بھولے سے بھی ہو تو جی پاتے ہیں
گو سلامت ہوں بظاہر پہ دل کے خطرات
رات دن گھن کی طرح پیر تئیں کھاتے ہیں
تو بھی ای پا طلب تک تو بھلا خواب سے چونک
اپنی ہی نوع سے ہیں وہ جو پہونچ جاتے ہیں
ہم سے بیکاروں سے بہتر ہیں یہ اہلِ اشغال
ہر طرح دل کے تئیں اپنے تو بہلاتے ہیں

درد کی طرح وہ ہو جاتے ہیں کچھ اور کے اور
تیرے از خود شدگاں جبکہ بخود آتے ہیں

گر دیکھیئے تو مظہرِ آثارِ بقا ہوں
ورنہ سمجھیے جوں عکس نہ مجھے محوِ فنا ہوں
کرتا ہوں پس از مرگ بھی حلِ مشکلِ عالم
نے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں
ممنون مرے فیض کے سب اہلِ نظر ہیں
جوں نور ہر اک چشم کو دیدار نما ہوں
ہی آسترِ فقر اگر سمجھو تو شاہی
سلطان ہی اگر شاہ تو میں ظلِ ہما ہوں
ہی مظہرِ انوارِ صفا میری کدورت
ہر چند کہ آہن ہوں پر آئینہ بنا ہوں
احوالِ دو عالم ہی مرے دل پہ ہویدا
سمجھا نہیں تا حال پر اپنے تئیں کیا ہوں
آوازہ نہیں قید میں زنجیر کی ہرگز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں

ہوں قافلہ سالارِ طریقِ قدما درد
چوں نقشِ قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انھیں طرحوں میں ہم ہردم فنافی اللہ ہوتے ہیں

تقید گاہ امکاں میں ہی وہ کچھ بخشش مطلق
کہ ہر واحد کو لاکھوں دام یاں تنخواہ ہوتے ہیں

غرورِ حسن کم ہوتا نہیں کچھ خط کے آنے سے
کہ یہ سب مور چے پے بھی سلیماں جاہ ہوتے ہیں

اگر جمعیتِ دل ہی تجھے منظور قانع ہو
کہ اہل حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں

پریکھا درد کچھ مت رکھ ترقی اور تنزل کا
کہ اپنے ذہن میں تو یاں گدا بھی شاہ ہوتے ہیں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں

نے زار ہی مجھ سے تو پہ مجھ کو
اب تک ہی وہی پیار جی میں

گل اب تو ملے ہی ہنسکے لیکن
بلبل پہ چھیں گے خار جی میں

یوں پاس بٹھا جسے تو چاہے
پر جاگہ نہ دیجو یار جی میں

کیا فائدہ درد شور و شر سے
اپچے ہی جو کچھ سو مار جی میں

ہرچند تیری سمت سوا راہ ہی نہیں
تس پر بھی آہ یاں کوئی آگاہ ہی نہیں

کچھ مرتبہ ہی اور وہ فہمید سے پرے
سمجھے ہیں جس کو یار وہ اللہ ہی نہیں

ہم بھی فلک سے کرتے کسو چیز کی طلب
ڈھونڈھا پر اپنے دل میں تو کچھ چاہ ہی نہیں

انساں کی ذات سے ہی خدائی کے کھیل ہیں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں

سو رنگ سے ہیں جلوہ نما گو بتانِ خلق
اپنا ترے سوا کوئی دلخواہ ہی نہیں

گر کہتے ہو کہ ہر وہی ہادی ہی مضل
تو راہ پر ہیں سب کوئی بے راہ ہی نہیں

ای درد مثل آئینہ ڈھونڈھا اُس کو پیا
بیرونِ در تو اپنی قدم گاہ ہی نہیں

هستی ہی جب تک ہم ہیں اسی اضطراب میں
جوں موج آپ پھنسے ہیں عجب پیچ و تاب میں

نے خانۂ خدا ہے نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دلِ خانہ خراب میں

آئینۂ عدم ہی میں ہستی ہے جلوہ گر
ہے موج زن تمام یہ دریا سراب میں

غافل جہاں کی دید کو مفتِ نظر سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہے اس عالم کو خواب میں

ہر جز کو کل کے ساتھ بمعنی ہے اتصال
دریا سے دور جدا ہے پہ ہے غرق آب میں

پیری سے نے ملک تن کو اجاڑا وگرنہ یاں
تھا بند و بست اور ہی عہدِ شباب میں

میں اور درد مجھ سے خریداریِ بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینہ کے سامنے جب آ کے ہو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں نا قبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

نے گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار
کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر
اے درد آ کے بیعتِ دستِ سبو کریں

یہ زلفِ بتاں کا گرفتار میں ہوں
یہ بیمار چشموں کا بیمار میں ہوں

کدھر بہکی پھرتی ہے اے بیکسی تو
تری جنس کا یاں خریدار میں ہوں

ادھر بات کہنا ادھر دیکھ لینا
سمجھتا ہوں سب یک عیار میں ہوں

اگر مجھ سے ملیے کبھو عیب کیا ہی
کسو پر بلا تیری تیوری چڑھا فے

نہ بد وضع تو ہی نہ بدکار میں ہوں
تری تیغ ابرو کا افگار میں ہوں

سبھی اپنے جینے سے ای درد خوش ہیں
اگر ہوں تو یہ ایک بیزار میں ہوں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

آجاے ایسے جینے سے اپنا تو جی بتنگ
جیتا رہے گا کب تئیں ای خضر مر کہیں

پھرتی رہی تڑپتی ہی عالم میں جا بجا
دیکھا نہ میری آہ نے روے اثر کہیں

مدت تلک جہان میں ہنستے پھرا کیے
جی میں ہی خوب روئیے اب بیٹھکر کہیں

یوں تو نظر پڑے ہیں تن افگار سیکڑوں
دلریش کوئی آپ سا دیکھا نہ پر کہیں

ظالم جفا جو چاہے سو کر مجھ پہ تو ولے
پچھتاوے پھر تو آپ ہی ایسا نہ کر کہیں

پھرتے ہو سج بناے تو اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسو کی نظر کہیں

ق

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
ای خانماں خراب ہی تیرا بھی گھر کہیں

کہنے لگا مکان معین فقیر کو
لازم ہی کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو ہر کہیں

درویش ہر کجا کہ شب آمد سراے اوست
تو نے سُنا نہیں ہی یہ مصرع مگر کہیں

اُس کو سکھلائی یہ جفا تونیں
کیا کیا ای مری وفا تونیں

نے کسی کو عبث کیا نے کس
قتل کر مجکو کیا لیا تونیں

حال سُن سن مرا لگا کہنے
میں سُنا کچھ نہ کیا کہا تونیں

ہم نہ کہتے تھے ہو جو مت عاشق
پائی دل اپنی کچھ سزا تونیں

جی تو جی سے ترے رہا ہی دل
مُنہ لیا موڑ کیا ہوا تونیں

درد کوئی بلا ہی شوخ مزاج
اُس کو چھیڑا برا کیا تونیں

سنے زباں ہی یہ وہ زبانِ سوسن
اِس چمن میں کسے مجال سخن

یاوری دیکھیے نصیبوں کی
دوست بھی ہو گئے مرے دشمن

ساقی اس وقت کو غنیمت جان
پھر نہ میں ہوں نہ تو نہ یہ گلشن

وہ زخود رفتہ ہوں کہ میرے تئیں
نہ خیالِ سفر نہ یادِ وطن

کیا کہوں اپنی میں سیہ بختی
حالِ دل تجھ پہ ہووے گا روشن

ق

بعد مدّت کے درد کل مجھ سے
مل گیا راہ میں وہ غنچہ دہن

میری اُس کی جو لڑ گئیں آنکھیں
ہو گئے آنکھوں ہی میں دو دو بچن

باغِ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں

دریاے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل
گر وار ہیں تو ہم ہیں ور پار ہیں تو ہم ہیں

وابستہ ہی ہمیں سے گر جبر ہی و گر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں

تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موج زن ہی
تس پر بھی تشنہ کامِ دیدار ہیں تو ہم ہیں

الفاظِ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے
معنی کی طرح ربطِ گفتار ہیں تو ہم ہیں

اوروں سے تو گرانی اک لخت اُٹھ گئی ہی
اے درد اپنے دل کے گر بار ہیں تو ہم ہیں

جمع میں افرادِ عالم ایک ہیں
گل کے سب اوراق بر ہم ایک ہیں

ہووے کب وحدت میں کثرت سے خلل
جسم و جاں گو دو ہیں باہم ایک ہیں

نوعِ انساں کی بزرگی سے نکایک
حضرتِ جبریل محرم ایک ہیں
دال ہے اس پر ہی قرآں کا نزول
بات کی تفہید میں ہم ایک ہیں

متفق آپس میں ہیں اہلِ شہود
دردؔ آنکھیں دیکھ باہم ایک ہیں

نہ ہم کچھ آپ طلب نہ تلاش کرتے ہیں
جو کچھ کہ یاں ہے مقدر معاش کرتے ہیں
مثالِ عکس جو کوئی کہ پاک طینت ہیں
جہاں صفا ہے وہیں بود و باش کرتے ہیں
ہماری اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد
جو کچھ ہے دل میں ترے ہم وہ فاش کرتے ہیں
مزاجِ نازک اگر دل سے کچھ مکدر ہو
یہ آئینہ ہم ابھی پاش پاش کرتے ہیں

یہ تیرے شعر ہیں اے دردؔ یا کہ نالے ہیں
جو اس طرح سے دلوں کو خراش کرتے ہیں

کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنے جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں
موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
دید وا دید جو ہو جائے غنیمت سمجھو
جوں شرر ورنہ ہم اے اہلِ نظر جاتے ہیں
آنکھیں اس بزم میں سیکی ہیں جنھوں نے ٹک بھی
شمع کی طرح گریباں لیے تر جاتے ہیں
نے ہنر دشمنِ اہلِ ہنر سے آ کر
منہ پہ چڑھتے تو ہیں پر دل سے اتر جاتے ہیں
ہم کسی راہ سے واقف نہیں جوں نورِ نظر
رہنما تو ہی تو ہوتا ہے جدھر جاتے ہیں
اے رگِ ابر بہ مژگاں بھی اگر ٹک برسیں
ایک پل میں کئی تالاب بھر جاتے ہیں
آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں ملنے کا دلِ عالم سے
دردؔ ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

اپنی قسمت کے ہاتھوں داغ ہوں میں
ہوں فتادہ برنگِ نقشِ قدم
دو نو عالم سے کچھ پرے ہی نظر
میں ہوں گلچینِ گلستانِ خلیل

نفسِ عیسوی چراغ ہوں میں
رفتگاں کا مگر سُراغ ہوں میں
آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں
آگ میں ہوں پہ باغ باغ ہوں میں

عینِ کثرت میں دید وحدت ہی
قید میں درد بافراغ ہوں میں

مرتا نہیں ہوں کچھ میں اُس سخت دل کے ہاتھوں
نالاں نہیں ہی تنہا اس راہ میں جرس تو
ہمت رفیق ہووے تو فقر سلطنت ہی
ای غنچہ تجھ سے آگے جو کچھ کہ تھا گرہ میں

پستا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں
روتے گئے ہیں کتنے یک لخت دل کے ہاتھوں
آتا ہی ہاتھ یعنی یاں تخت دل کے ہاتھوں
گل یاں لُٹا گئے ہیں کل لختِ دل کے ہاتھوں

ای درد۔ آہ پھر پھر آتا یہی ہی جی میں
پستا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں

جی نہ اُٹھوں کہیں پھر میں جو تو مارے دامن
دامنِ دشت ہی پُر لالہ و گل سے یارب
ہم کہ دامن سے لگے ہیں نہ کہیں چھٹ جاویں
تار باندھا ہی مرے اشک نے یاں تک جوں شمع
جب وہ چاہے ہی کہ دامن کو اُٹھا کر چلیے
فرش رہ آنکھیں تو کیں میں نے پہ میرے مژگاں
درد تو کون ہی جو گرد پھٹکنے پاوے

جھاڑ مت خاک پہ میرے یہ غبارِ دامن
خونِ عاشق بھی کہیں ہووے بہارِ دامن
ہر گھڑی کھینچ نہ لے رحم کنارِ دامن
ہی دہی تارِ گریباں وہی تارِ دامن
ہنس کے رکھتا مری گردن پہ ہی بارِ دامن
خار پا ہو ویں کسو کے نہ یہ خارِ دامن
دور دامن ہی ترا صدقے نثارِ دامن

کیوں نہ ڈوبے رہیں یہ دیدۂ تر پانی میں
ہی بنا مثلِ حباب اپنا تو گھر پانی میں

اشک سے میرے فقط دامنِ صحرا نہیں تر
کوہ بھی سب ہیں کھڑے تا بکمر پانی میں

مردمِ دیدہ مرے اشک میں یوں رہتے ہیں
کب یہ گزران کرے اور بشر پانی میں

آتشِ مے سے جو ساقی نے اسے بھڑکایا
زاہدِ خشک ہوا خوب ہی تر پانی میں

چشمۂ آب نہ ہو چشمۂ خورشید سے کم
شعلہ رو تو کبھو منہ دیکھے اگر پانی میں

جس طرف چاہو چلوں یہ وہ سر البتہ ہے
وہم کہتا ہی کہ اب پانوں نہ دھر پانی میں

عالم آب میں جوں آئینہ ڈوبا ہی رہا
تو بھی دامن نہ کیا درد نے تر پانی میں

معلوم نہیں آنکھیں یہ کیوں پھوٹ بہی ہیں
رونے کی طرف کس لیے یہ ٹوٹ بہی ہیں

کشتی کی طرح آنکھیں مری اشک میں یارو
جس تارِ نگہ سے بندھی تھیں چھوٹ بہی ہیں

ہیں مثلِ حباب آنکھیں تو رو رو کے بہاؤں
پردہ یہی کہتا ہی سدا جھوٹ بہی ہیں

سرسبز یہ کس جلوہ سے ہوئیں آنکھیں جو تنہا
دریا کی طرح کھیت مرا لوٹ بہی ہیں

ای درد سمجھ سچ نہ ان آنکھوں کا بہنا
چھاتی کی طرح دل کو مرے کوٹ بہی ہیں

گھر تو دونوں پاس ہیں لیکن ملاقاتیں کہاں
آمد و رفت آدمی کی ہی - پہ وہ باتیں کہاں

ہم فقیروں کی طرف بھی تو نگاہیں دم بدم
پھینکنے جاتے تھے آپ آ گئے وہ خیراتیں کہاں

بعد مرنے کے مرے ہوگی مرے رونے کی قدر
تب کہا کیجے گا لوگو سبھی وہ برساتیں کہاں

یوں تو ہی دن رات میرے دل میں اس کا ہی خیال
جن دنوں اپنی بغل میں تھا سو وہ راتیں کہاں

جس طرح سے کھیلتا ہی وہ دلوں کا یار شکار
درد آتی ہیں کسی دلبر کو وہ گھاتیں کہاں

تجھے در سے تو اپنے ٹالے ہے یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے گا ترے سوا تو اگر نہیں ہے یہاں نہیں

پڑی جس طرف کو نگاہ یاں نظر آگیا ہے خدا ہی واں
یہ ہیں گو کہ آنکھوں کی پتلیاں مگر دل میں جا بتاں نہیں

مرے دل کے شیشے کو بے وفا تو نے ٹکڑے ٹکڑے ہی کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا یہ دکان شیشہ گراں نہیں

مجھے رات ساری ہی تیرے یاں کٹے کیوں کہ روتے نہ شمع ساں
کہ نہ ہو سکے ہے کچھ اب بیاں یہ وہ بات ہے کہ زباں نہیں

کوئی سمجھے کیونکہ یہ مدعا کہ پہیلی سا ہے یہ ماجرا
کہا میں نے تجھے نہیں چاہ کیا گلہ کہتے مجھ سے کہاں نہیں

نہ ملا ہمیں کوئی نکتہ داں تو یہ بیت سناویں بھلا کہاں
نہ ہوا سبھوں پہ وہی عیاں جو کسی سے یاں تو نہاں نہیں

تجھے درد کیونکہ سناؤں میں نہ خدا کسی کو دکھاوے یہ
جو کچھ اپنے جی پہ گزرتی ہے کہوں کیا کہ اس کا بیاں نہیں

دل کو لیجاتی ہیں معشوقوں کی خوش اسلوبیاں
ورنہ ہیں معلوم ہم کو سب انھوں کی خوبیاں

صورتوں میں خوب ہوں گی شیخ گو حور بہشت
پر کہاں یہ شوخیاں یہ طور یہ محبوبیاں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کر و بیاں

آپ تو ڈوبے ہیں پر اس کا بھی کیا خانہ خراب
درد اپنے ساتھ آنکھیں دل کو بھی لے ڈوبیاں

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلہ کرتا نہیں
دل میں ہے وہ ہی وفا پر جی وفا کرتا نہیں

سعی بیجا مت کرو مہر و وفا وہ شوخ تو
جی کو ان باتوں سے ہرگز آشنا کرتا نہیں

کونسی شب ہے کہ مثل شمع جب کھلتی ہے آنکھ
جا سے خشک آنکھوں سے اپنی خوں گرا کرتا نہیں

عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک
درد مرتا ہے کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن ادھر اودھر بھٹکتے ہیں
جہاں جائیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں
بتادو کون ہی جو تیری مجلس میں نہیں ہوتا
مگر یہ ایک ہم ہی ہیں کہ نظروں میں کھٹکتے ہیں
نہیں معلوم کیا ہوگا یہ دل اُن لٹوں میں اُلجھا
جہاں ای درد ایسے تو ہزاروں ہی لٹکتے ہیں

آہ پردہ تو کوئی مانعِ دیدار نہیں
اپنی غفلت کے سوا کچھ در و دیوار نہیں
ہم سے دل مردہ اگر رات کو جاگے تو کیا
چشمِ بیدار تو ہی پر دلِ بیدار نہیں

درد یاں دو ہی پیالوں پہ قناعت کیجے
خانۂ چشم ہی یہ خانۂ خمار نہیں

ای ہجر کوئی شب نہیں جس کو سحر نہیں
پر صبح ہوتی آج تو آتی نظر نہیں
دل لے گیا پر ایک نہ کی اس طرف نگاہ
ایسا تو دلبروں میں کوئی معتبر نہیں

ہی کونسا ہی دامنِ صحرا جہان میں
ای درد آنسوؤں سے جو تیرے وہ تر نہیں

مرے ہاتھوں کے ہاتھوں ای عزیزاں
گریباں چاک ہی چاکِ گریباں
کھلا ہی بابِ عرفاں جس کے اوپر
اُسے ہی ہر ورق گل کا گلستاں
صبا جاتا ہوں گریاں میں چمن سے
گلوں کو باغ میں رکھیو تو خنداں

گرچہ ہم مردہ دل ای جانِ جہاں جیتے ہیں
تجھ بن ای وائے جو سمجھیں تو کہاں جیتے ہیں
زندگی جس سے عبارت ہی سو وہ زیست کہاں
یوں تو کہنے کے لیے کہیے کہ ہاں جیتے ہیں
بعد مرنے کے بھی وہ بات نہیں آتی نظر
جس توقع پہ کہ ہم اب تئیں یاں جیتے ہیں

دل تو سمجھائے سمجھتا بھی نہیں
اُس کی باتیں مجھ سے کیا پوچھو ہو تم
داد کو تو پہونچنا معلوم ہی

کہیے سودائی - تو سودا بھی نہیں
مدتیں گزریں کہ دیکھا بھی نہیں
کوئی یاں فریاد سنتا بھی نہیں

یوں تو سب باتیں نصیحت کی کہیں
جس کے بن دیکھے نہ نیند آتی ہمیں
صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں

پر اثر ہوتا ہی دل کے تئیں کہیں
خواب میں بھی دیکھتے اُس کو نہیں
ہی دفینہ حسن کا زیرِ زمیں

رُباعیات

آگے ہی بن سُنے تو کہے ہی نہیں نہیں
ہیں معنیٔ بلند مرے عرش سے پرے

تجھ سے ابھی تو ہم نے وہ باتیں کہیں نہیں
مت کہہ کہ بات درد کی کرسی نشیں نہیں

دو نگاہیں جو چار ہوتی ہیں
بے وفائی پہ اُس کے دل مت جا

برچھیاں دل کے پار ہوتی ہیں
ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں

اگر میں شکستہ رسی سے ترا دہاں پاؤں
یہ رات شمع سے کہتا تھا درد پروانہ

کمر کو چاہوں تو اُس کے تئیں کہاں پاؤں
کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

دل میں رہتے ہو پر آنکھوں دیکھنا مقدور نئیں
چاہیے دونو جہاں جل جاویں اک شعلہ کے ساتھ

گھر سے دروازے تلک آؤ تو چنداں دور نئیں
درد ایسی سرد آہیں عشق میں منظور نئیں

زلفوں میں تو مدا سے یہ کج ادائیاں ہیں

آنکھوں نے پر اب یہی آنکھیں دکھائیاں ہیں

ہی اپنے جی میں جو کچھ تم جا تو یا نہ جانو　　پر سب تمہاری باتیں لب ہم نے پائیاں ہیں

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں　　زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

دیکھ میرے ضعف کو کہنے لگا رو کر طبیب　　کوئی دم کو یہ بھی اس کی ناتوانی پھر کہاں

کب دہن میں ترے سماے سخن　　نہیں تیرے دہن میں جاے سخن

شعر میں میرے دیکھنا مجکو　　ہی مرا آئنہ صفاے سخن

کہیں ہوے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں　　یہ ترے سبب نہیں ہم سے حجاب آنکھوں میں

کرے ہی مست نگاہوں میں ایک عالم کو　　لیے پھرے ہی یہ ساقی شراب آنکھوں میں

ہر دم بتوں کی صورت رکھتا ہی دل نظر میں　　ہوتی ہی بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

ایسا ہی غم نے تیرے پامال کر دیا ہی　　کچھ دل رہا نہ دل میں نہ کچھ جگر جگر میں

اس ذکر سے بھی مجھ کو کیا کام دل کے ہاتھوں　　لیتا نہیں کسو کا میں نام دل کے ہاتھوں

نہیں ہم کو تمنا یہ ملک ہو تا فلک پہونچیں　　یہی ہی آرزو دل کی ترے قدموں تلک پہنچیں

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کیے جاتا ہوں　　مرتے مرتے بھی ترے غم کو لیے جاتا ہوں

افسوس اہلِ دید کو گلشن میں جا نہیں　　نرگس کی گو کہ آنکھیں ہیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں رشک نے گناہی ہوں　　موردِ رحمتِ الٰہی ہوں

ردیف (و)

مانع نہیں ہم وہ بتِ خود کام کہیں ہو　　پر اس دلِ بیتاب کو آرام کہیں ہو

خورشید کے مانند پھر دن کب تئیں یارب
نت صبح کہیں ہووے مجھے شام کہیں ہو

میخانۂ عالم ہی وہ شے ربط کہ جس میں
ہووے جو صراحی کہیں تو جام کہیں ہو

وعدے تو مرے ساتھ کیے تو نے ہزاروں
پر ایک بھی اتنوں میں سرانجام کہیں ہو

ہرچند نہیں صبر تجھے درد ولیکن
اتنا بھی نہ ملیو کہ وہ بدنام کہیں ہو

کیا فرق داغ و گل میں۔ اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہی کہ جس دل میں تو نہ ہو

ہووے نہ حول و قوت اگر تیرے درمیاں
جو ہم سے ہو سکے ہی سو ہم سے کبھو نہ ہو

جو کچھ کہ ہم نے کی ہی تمنا ملی مگر
یہ آرزو رہی ہی کہ کچھ آرزو نہ ہو

جوں شمع جمع ہوویں گر اہلِ زباں ہزار
آپس میں چاہیے کہ کبھی گفتگو نہ ہو

جوں صبحِ چاک سینہ مرا ای رفوگراں
یاں تو کسو کے ہاتھ سے ہرگز رفو نہ ہو

ای درد زنگ صورت اگر اس میں جا کرے
اہلِ صفا میں آئنۂ دل کو رو نہ ہو

سمجھنا فہم گر کچھ ہی طبیعی سے الٰہی کو
شہادت غیب کے چاہو تو حاضر ہی گواہی کو

نہیں ممکن کہ ہم سے ظلمتِ امکان زائل ہو
چھڑا دے آہ کوئی کیونکہ زنگی سے سیاہی کو

عجب عالم ہی ایدھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہی
ادھر سے نیستی آتی ہی دوڑی عذرخواہی کو

نہ رہ جا سے کہیں تو زاہدا محروم رحمت سے
گنہگاروں میں سمجھا کریو اپنے گناہی کو

نہ لازم نیستی اس کو نہ ہستی ہی ضروری ہی
بیاں کیا کیجیے ای درد ممکن کی تباہی کو

مجلس میں یار ہووے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دلِ داغ داغ کو

جاتی تو ہی تو زلف کے کوچہ کو اے صبا
پر دیکھیو جو چھیڑے کسی بے دماغ کو

بس بارِ دل زیادہ نہ ہو حسرتِ چمن
کیدھر لیے پھرونگا میں گلگشتِ باغ کو

بلبل کی طرح رشتۂ الفت میں رکھ دل
بندھوا نہ دیجیو کہیں بالِ فراغ کو

کیا چھپ رہی ہے پردۂ مینا میں دخترِ رز
روشن کر اپنے جلوہ سے چشمِ ایاغ کو

تمیز بے تمیزی عالم کسے ہے کب
نالے سے عندلیب کے یاں بانگِ زاغ کو

اے ذرّہ رفتہ رفتہ کیا آپ کو ہی گم
اس راہ میں چلا تھا میں کس کے سراغ کو

مست ہوں پیرِ مغاں کیا مجھ کو فرماتا ہے تو
پائے بوسِ خم کروں یا دست بوسیِ سبو

صبح اور خورشید کے مانند میری جیب کو
چاک کا موجب ہے تو ہی۔ تو ہی اسبابِ رفو

ٹال دیتا اُس کو نت ہر طرح جوں قبلہ نما
پھرتے مجھے ہر پھر کے آ رہنا اسی کے روبرو

اور افزونیِ طلب کی بعد حسرت کے ہوئی
خاک ہونے نے کیا ہر ذرّہ گرمِ جستجو

تیری خوں آشامیاں مشہور ہیں اے تیغِ ناز
ایک قطرہ چھوڑے تو پیوسے ہمارا ہی لہو

جس طرح سے صبح کو ہوتا ہے زرد رونقِ چراغ
دیکھ تجھ کو اُڑ گیا گلشن میں گل کا رنگ و بو

اور ہوں آمادۂ میخوارگی یہ مے پرست
سر اگر کاٹے اُنھوں کے محتسب مثلِ کدو

بات اہلِ دید سے کرتے ہیں یاں روشن ضمیر
نت زبانِ شمع کو ہے چشم ہی سے گفتگو

صورتِ تقلید میں کب معنیِ تحقیق ہیں
رنگ گو ہے پر گلِ تصویر میں کیدھر ہے بُو

سیکڑوں ہی تخم سے اس باغ میں نکلے نہال
تخمِ دل کی بر نہ آئی ذرّہ لیکن آرزو

لاؤں کس کی آنکھوں سے کہو اس چشمِ حیراں کو
عیاں جب ہر جگہ دیکھوں کسی کے رازِ پنہاں کو

تجھے اے شمع کیا دیکھیں زمانہ تو دکھاتا ہے
ہمیں جوں کاغذِ آتش زدہ اور ہی چراغاں کو

نہ تنہا کچھ یہی اطفال دشمن ہیں دوانوں کے
بھرے ہے کوہ بھی دیکھا تو یاں پتھروں سے داماں کو

جھمکتے ہیں ستاروں کی طرح سوراخ سینے کے
چھپایا گو کہ جوں خورشید میں داغِ نمایاں کو

نہ واجب ہی کہا جاوے نہ صادق ممتنع اس پر
کیا تشخیص کچھ ہم نے نہ ہرگز شخصِ امکاں کو

نہ مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو
الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضیٔ الٰہی ہو

نگینے کے سوا کوئی بھی ایسا کام کرتا ہے
کہ ہو نام اور کا روشن اور اپنی روسیاہی ہو

نہیں شکوہ مجھے کچھ بے وفائی کا تری ہرگز
گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

رباعیات

اے دردؔ یاں کسو سے نہ دل کو پھنسائیو
لگ چلیو سب سے یوں تو پہ جی مت لگائیو
میں دل کے ساتھ کب تئیں کشتی لڑا کروں
اب اختیار ہاتھ سے جاتا ہے آئیو

اپنے بندہ پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
یہ نہ آ جاوے کہیں جی میں کہ آزاد کرو
نہ کہیں عیش تمھارا بھی منغص ہووے
دوستاں دردؔ کو مجلس میں نہ تم یاد کرو

کہنا ٹک اشتیاق تو رفتارِ یار کو
آنکھوں میں کب تلک میں رکھوں انتظار کو
ویسا ہی اب تلک ہے وہ دامن تو اے صبا
کیدھر لیے پھرے ہے تو میرے غبار کو

سر رشتۂ نگاہِ تغافل نہ توڑیو
اے ناز اس طرف سے منہ اس کا نہ موڑیو
جاوے درِ قفس سے بِنے بال و پر کہاں
صیاد ذبح کیجو پر اس کو نہ چھوڑیو

دے لے جو کچھ کہ شیشے میں باقی شراب ہو
کہتا ہی آئینہ کہ نہیں ہی بعید اگر

ساقی ہی تنگ عرصۂ فرصت شتاب ہو
دوران کے ہاتھ سے دل آہن بھی آب ہو

کبھو ہم نے نہ پایا مہرباں ای تند خو تجھکو
تمنائیں مبدل حسرتوں سے ہو گئیں دل میں

نہ دیکھا آنکھ بھر کے ایکدم خورشید رو تجھ کو
رہی تو بھی نہ ملنے کی ہمارے آرزو تجھکو

دل نالاں کو یاد کر کے صبا
نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ

اتنا کہنا جہاں وہ قاتل ہو
اس طرح بیٹھتا ہی غافل ہو

میں نہیں کہتا کہیں تم اور مت جایا کرو
بندہ پرور اس طرف کو بھی کبھو آیا کرو

ردیف (ہ)

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
ہم گلشن دوراں میں ای خفتگی طالع
ای شور قیامت رہ اودھر ہی میں کہتا ہوں
اور وں سے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں
مجھ پر بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا بارے
بدخواہ سبھی عالم گو ہووے تو ہو لیکن
کرتا ہی جگہ دل میں جوں ابروئے پیوستہ

گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ
سرسبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ
چونکے ہی ابھی یاں سے کوئی دل شوریدہ
ایدھر کو نظر کوئی پھینکی بھی تو دزدیدہ
زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ
یارب نہ کسی کے ہوں دشمن پہ دل دیدہ
ای درد۔ یہ تیرا تو۔ ہر مصرع پسندیدہ

رکھتی ہی میرے غنچۂ دل میں وطن گرہ
تجھ سے نہ کھل سکے گی صبا یہ کٹھن گرہ

چشمِ کشا و کار کسو سے نہیں مجھے
رکھتا ہوں میں بسانِ گہر جملہ تن گرہ

پہونچے گر اُس طرف کو تری زلف کی شمیم
نافے ہی میں ہو نکہتِ مشکِ ختن گرہ

اپنی اگر گرفتہ دلی ذکر کیجیے
ہو غنچہ وار خاطرِ یک انجمن گرہ

ہر چند سعی میں ہی رہا ناخنِ ہلال
کھلتی ہی پر سپہر کی کوئی کہن گرہ

جب چاہیے کہ عقدۂ دل تجھ پہ کھولیے
ہوتا ہی آ زباں پہ میری سخن گرہ

تنگی سے تن کے جامہ کی ہوتا ہی دل خفا
ہی جوں حباب جان پہ یہ پیرہن گرہ

ہر چند کھولی تو نے تو پتھر کے جی سے گانٹھ
شیریں کے دل سے پر نہ کھلی کوہکن گرہ

کیونکر یہ کارِ عشق گرہ در گرہ نہ ہو
یاں دل گرہ کی شکل جدا اور واں دہن گرہ

جیتا کسی کو چھوڑے نہ یہ گانٹھ زہر کی
زلفِ سیاہ سانپ ہی جس کا ہی من گرہ

واشد کبھو تو درد کے بھی ساتھ چاہیے
بندِ قبا سے کھول ٹک اے گلبدن گرہ

ربط ہی نازِ بتاں کو تو مری جان کے ساتھ
جی ہی وابستہ مرا ان کی ہر اک آن کے ساتھ

اپنے ہاتھوں کے بھی میں زور کا دیوانہ ہوں
رات دن کشتی ہی رہتی ہی گریبان کے ساتھ

جو جفا جو ہیں انھیں سنگدلی لازم ہی
کام تلوار کو رہتا ہی سدا سان کے ساتھ

گر مسیحا نفسی ہی یہی مطرب، تو خیر
جی ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر اک تان کے ساتھ

درد ہر چند میں ظاہر میں تو ہوں مورِ ضعیف
زورِ نسبت ہی ولے مجھ کو سلیمان کے ساتھ

کاش تا شمع نہ ہوتا گزرِ پروانہ
تم نے کیا قہر کیا! بال و پرِ پروانہ

شمع کے صدقے تو ہوتے بھی دیکھا تھا اسے
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثرِ پروانہ

گر ترا حسنِ برہنہ نظر آجاے اُسے
نت رہے آگ میں سوزِ جگرِ پروانہ

کیوں اُسے آتشِ سوزاں میں لیے جاتی ہی
سوجھتا بھی ہی تجھے کچھ نظرِ پروانہ

ایک ہی جست میں لی منزلِ مقصود اُس نے
راہرو رشک کی جا ہی سفرِ پروانہ

شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں ای درد میں کس سے خبرِ پروانہ

دل پہ بے اختیار ہو کر آہ
تو ہی کہہ کب تلک نہ اُٹھے کراہ

خوش خرامی اِدھر بھی کیجیے گا
میں بھی جوں نقشِ پا ہوں چشم براہ

کیا کہوں تجھ سے ہمنشیں دل میں
برچھی سی لگتی ہی وہ تیکھی نگاہ

جو ہوے ہیں قرار آپس میں
میں ترا اور تو ہی میرا گواہ

جس پہ تقصیر وار تم سمجھو
ابھی ایسا تو کچھ نہیں ہی گناہ

ہنسنے اور بولنے کی باتیں کرو
نام اُس کا نہ لو کہاں ہی چاہ

دید وا دید رکھے جاے گا
جب تلک ہو ملاپ خاطرخواہ

بت پرستی نہیں شعار اپنا
ہم کو ایسا نہ سمجھیو واللہ

شوخ تو اور بھی ہیں دنیا میں
یہ تیری شوخی کچھ عجب ہی واہ

ہر گھڑی کان میں وہ کہتا ہی
کوئی اس بات سے نہ ہو آگاہ

درد اپنی طرف سے حاضر ہی
آگے پھر ہی تمھارے ہاتھ نباہ

جوں جرس دل کے ساتھ ہیں میرے آہ
نہیں نالے سوا کوئی ہمراہ

قصۂ زلفِ یار کیا کہیے
ہی دراز اور عمر ہی کوتاہ

درد درویش ہوں مری تعظیم
خلق کرتی ہی کہہ کے یا اللہ

دل سوا کس کو ہُوا اس زلفِ گرہ گیر میں راہ
ہی دوانوں کی طرح خانۂ زنجیر میں راہ

ہم سے بے جانوں سے شرمندہ دمِ عیسیٰ ہی
ہو صبا کے تئیں کب غنچۂ تصویر میں راہ

نالۂ دل نے میں لیے تجھ کو پھرا شہر بہ شہر
آہ پر تو نے نہ کی ٹک دلِ تاثیر میں راہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

آہن ہو یا ہو سنگ ہی سب جلوہ گاہِ یار
جوں آئینہ ہر ایک گزر میں صفا کو دیکھ

ردیف ی

اُس کی بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہی
فصلِ بہار جس کے ہاں ایک یہ گُل فروش ہی

بختِ سیہ برنگِ شب نت ہی گلیم پوش ہی
شمع بھی اپنے ہاں اگر ہی تو سدا خموش ہی

خلوتِ دل نے کر دیا اپنے حواس میں خلل
حُسن بلائے چشم ہی۔ نغمہ و بالِ گوش ہی

ہووے تو درمیان سے اپنے تئیں اُٹھائیے
بار نہیں ہی اور کچھ سر ہی وبالِ دوش ہی

نالہ و آہ کیجیے خونِ جگر ہی پیجیے
عہدِ شباب کہتے ہیں موسمِ ناؤ نوش ہی

خیر تجھے جو چاہیے بدرقۂ جنوں نہ چھوڑ
ہم نے جہاں کی سیر کی۔ رہزنِ خلق ہوش ہی

نے خبروں کو پھر کہیں دستِ قضا نہ چھیڑ تو
مثلِ دہل ہر ایک میں ورنہ بھرا خروش ہی

غیرِ ملال نہ ابدا ۔ کیا ہی طریقِ زہد میں
دل ہو شگفتہ جس جگہ کوچۂ می فروش ہی

اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
درد اگر لباس ہی دیدۂ عیب پوش ہی

آفتِ جان و دل تھا یاں وہ بتِ خود فروش ہے / پہلے ہی جس کے پیشکش صبر و قرار و ہوش ہے

دل کو سیاہ مست کر کچھ بھی تجھے جو ہوش ہے / کہتے ہیں کعبہ اس کو اور کعبہ سیاہ پوش ہے

کس کی یہ ہوتی ہے صبا گفت و شنید باغ میں / غنچے سبھی زبان ہیں - گل بھی تمام گوش ہے

آتشِ گل جنوں مرا گرم کرے سو یہ نہیں / سینہ ہمیشہ آگ ہی دیگ سی سدا ہی جوش ہے

حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سو کیا بلا / ہم کو سپہر مت ڈرا نیش بھی یاں تو نوش ہے

ہم نے تو ایک معصیت چاہی چھپے نہ چھپ سکی / اپنے گناہ کو ترا عفو ہی پردہ پوش ہے

آہ کہیں یہ ناتواں حال کرے سو کیا بیاں / منہ پہ ہی مہرِ خامشی دل میں بھرا خروش ہے

دور نہیں ہوا ہمیں رنجِ شعور ساقیا / اک دو سہ جام اور بھی باقی ابھی تو ہوش ہے

محنت و رنج و غم سے یاں درد نہ جی چھپائیے
بار بھی اٹھائیے جب تئیں سر ہی دوش ہے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے / سو گیا تھا جگا دیا کس نے

میں کہاں اور خیال بوسہ کہاں / منہ سے منہ یوں بھڑا دیا کس نے

وہ مرے چاہنے کو کیا جانے / یہ سندیسا سنا دیا کس نے

ہم بھی کچھ دیکھتے سمجھتے تھے / سب یکایک چھپا دیا کس نے

وہ بلانے سے بھاگتا تھا اور
درد تجھ تک بلا دیا کس نے

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے / لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی / خطرہ جو ہے سو آئنۂ دل پہ زنگ ہے

حیرت زدہ نہیں ہے فقط تو ہی آئنہ / یاں تک بھی جس کی آنکھ کھلی ہے سو دنگ ہے

اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہی

گلگیر منہ پسار نہ تو شمع کی طرف
اُس کی زبان ہی اُسے کامِ نہنگ ہی

کب ہی دماغ عشقِ بتانِ فرنگ کا
مجھکو تو اپنی ہستی ہی قیدِ فرنگ ہی

عالم سے اختلاط کی ہر چند صلحِ کل
پر اپنے ساتھ مجھکو شب و روز جنگ ہی

میں کیا کہوں تجھے نظر آتا نہیں ہی کیا
اس گلشنِ جہان کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہی

غنچہ شگفتہ ہووے ہی ہووے کہ اس میں درد
دیکھا چمن میں جاکے تو کچھ اور رنگ ہی

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیئے
پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دیئے

ہوں کشتۂ تغافلِ ہستیِ بے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اُس نے بھلا دیئے

روتی ہیں چشم ابر ہیں یہ تیری داد خواہ
کتنے ہی تیغِ ابرو نے قصے چکا دیئے

عنقا کی طرح بستے تھے یاں نامور فلک
تو نے خدا ہی جانے کہ کیدھر اُڑا دیئے

پگھلا دلِ اثر نہ مرے حال پر کبھی
ہر چند روتے روتے میں نالے بہا دیئے

یا رب یہ کیا خرام ہی جس نے اک آن میں
کتنے ہی مردے حشر سے آگے جلا دیئے

عالم میں جتنے پاک گہر تھے سو ایک ایک
اولے سے روزگار نے یوں ہی گھلا دیئے

صیاد دیکھتے ہیں کہ گرفتاریاں گئی
صدقے کر اپنے آج کسی نے چھڑا دیئے

ابرِ مژہ یہ چشم تو کیا ہیں کہ گھر کے گھر
تو نے برس برس کے ہزاروں بہا دیئے

دونوں جہان کی نہ رہی پھر خبر اُسے
دو پیالے تیری آنکھوں نے جس کو پلا دیئے

اے شورِ حشر گردشِ دوراں نے اہلِ قبر
ٹک بھی نہ سونے پائے کہ ووہیں جگا دیئے

چاہو وفا کرو نہ کرو اختیار ہی
خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اُٹھا دیئے

سیلابِ اشکِ گرم نے اعضا مرے تمام
اے درد کچھ بہا دیئے اور کچھ جلا دیئے

گر باغ میں خنداں وہ مرا لب شکر آوے — گل سامنے داماں سے منہ ڈھانپ کر آوے
قاصد سے کہو پھر خبر اودھر ہی کو لے جاوے — یاں نے خبری آگئی جب تک خبر آوے
لوٹے ہی ترے گنج شہیداں کو غریبی — جی دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے
زاہد کو جتا دیجیو بیخود ہیں یہ رنداں — آنا ہی تو خودداری کو گھر میں ہی دھر آوے
کہتے ہیں کہ یکدست تری تیغ چلی ہی — تب جانیے جب اک دو قدم چل ادھر آوے
جوں خواب ہی وابستۂ غفلت یہ تماشا — کھل جاوے اگر آنکھ تو پھر کیا نظر آوے
اے صبح رواں تیری مدد ہووے تو شاید — اس بحر میں ہم سے بھی کوئی شعر تر آوے

مطلق بھی نہیں درد اضافت سے مبرّا
عہدے سے تقید کے کوئی کیونکہ بر آوے

اذیت کوئی تیرے غم کی میرے جی سے جاتی ہی — بھوک دل کیا خالی تو پھر چھاتی بھر آتی ہی
سناؤں کیونکہ اپنا حال میں کیا سخت مشکل ہی — یہ قصہ جب لگوں کہنے تو اس کو نیند آتی ہی
نہیں مشتاق آئینہ کے جو وہ صاف طینت ہیں — صفا تو عارضی ہی اور کدورت اس کی ذاتی ہی
قیامت سر پہ میں دل پہ میرے حشر برپا ہی — ہوس ہر دم تمنائیں تو یہ یہ پچھ اٹھاتی ہی
اگر آئینہ چار آئینہ پہرے تو نہیں سنمکھ — سپر ہوں تیر مژگاں کا سو یہ میری ہی چھاتی ہی

پہنے

پر رکھانت یہی رہتا ہی مجھکو درد کیا کہیے
کہ ایسی زندگی سی چیزیوں ہی مفت جاتی ہی

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے — مشکل ہی جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے
نشو و نما کی کس کو امید اے بہاریاں — میں خشک شاخ ہوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے
تحریک ہی یہ اس ید قدرت کی ورنہ کب — نے دست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے

مثلِ حباب جب کہ نظر سے گیا گیا
میں وہ غریق ہوں کہ نہ ڈوبا اچھل سکے

گر نے نہ دیویں خلق کی نظروں سے دل کو ہم
تو ہی اگر کسو کے سنبھالے سنبھل سکے

روشن ضمیر جتنے ہیں سالم ہیں جوں نجوم
چرخِ آسیا سے اپنے یہ دلنے نہ دل سکے

کرتے عبث ہو شیشہ گراں سنگ کو گداز
پگھلائیے جو تم سے کوئی دل پگھل سکے

کہہ اور بھی غزل کوئی اب اس ردیف میں
ای دردؔ قافیہ کو اگر تو بدل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

میں وہ فتادہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقشِ قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

گو بحث کرکے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

اخفائے رازِ عشق نہ ہو آبِ اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مستِ شرابِ عشق وہ بیخود ہے جس کو حشر
ای دردؔ چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

قسم ہے حضرتِ دل ہی کے آستانے کی
ہوس ہو جی میں جو دیر و حرم کے جانے کی

طریق اپنے پہ اک دورِ جام چلتا ہے
وگرنہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی

کیا جگر کھرے داغ تیرے وعدوں نے
خبر سنی جو کہیں میں کسو کے آنے کی

نظر نہ کیجیو تو میرے دل کے خطروں پر
جفا و جور اُٹھانے پڑے زمانے کے

نہ جی میں لائیو کچھ بات کیا دِ ولانے کی
ہوس تھی جی میں کسو ناز کے اُٹھانے کی

طریق ذکر تو ہی درد یاد عالم کو
طرح بتائیے کچھ اپنے تئیں بھُلانے کی

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہی
وہ اشک نکلتا ہی مری چشم سے جس کا
زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت
گزرا ہی بتا کون صبا آج ادھر سے

جز وصل سو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہی
ہر قطرہ کم از پارۂ الماس نہیں ہی
یہ فقر کی دولت ہی کچھ افلاس نہیں ہی
گلشن میں ترے پھولوں کی یہ باس نہیں ہی

بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر ای درد
ہر دم دمِ عیسیٰ ہی تجھے پاس نہیں ہی

یاں عیش کے پردے میں چھپی دل شکنی ہی
دل ٹکڑے کیا ہی یہ ترا کس کے لبوں نے
کیا کام مجھے خوف و رجا سے کہ مرے پاس
تن پروریِ خلق مبارک ہو انھیں یاں
آگے جو بلا آئی تھی سو دل پہ ٹلی تھی

ہر بزم طرب چوں مژہ برہم زدنی ہی
جو لختِ ہی سو رشکِ عقیقِ یمنی ہی
ہی جان سو لے جان ہی دل ہی سو غنی ہی
جوں نقشِ قدم اور ہی آسودہ تنی ہی
اب کے تو مری جان ہی پر آن بنی ہی

ای درد کہوں کس سے بتا رازِ محبت
عالم میں سخن چینی ہی یا طعنہ زنی ہی

آتشِ عشق جی جلاتی ہی
یہ بلا جان ہی پہ آتی ہی

تو ہی اور سیر باغ ہی ہر وقت — داغ ہیں اور میری چھاتی ہی
شام بھی ہو چکی کہیں اب تو — آشتابی کہ رات جاتی ہی
کچھ مناسب نہیں ہی کیا کہیئے — جی میں جو کچھ کہ اپنے آتی ہی
ٹک خبر لے کہ ہر گھڑی ہم کو — اب جدائی بہت ستاتی ہی

درد اس کی بھی دید کر لیجے
نوجوانی یہ مفت جاتی ہی

۲

ہی غلط گر گمان میں کچھ ہی — تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہی
دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہی — آن میں کچھ ہی آن میں کچھ ہی
بے خبر تیغ یار کہتی ہی — باقی اس نیم جان میں کچھ ہی
ان دنوں کچھ عجب ہی میرا حال — دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہی
اور بھی چاہیے، سو کہیئے۔ اگر — دل نامہربان میں کچھ ہی

درد تو جو کرے ہی جی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ہی

۴

آرام سے کبھو ہی نہ یکبار سو گئے — ایسے ہمارے طالع بیدار سو گئے
خوابِ عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے — آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
اٹھتی نہیں ہی خانۂ زنجیر سے صدا — دیکھو تو کیا سبھی یہ گرفتار سو گئے
تیری گلی ہی یا کوئی آرام گاہ ہی — رکھتے قدم کے پانوں تو ہر بار سو گئے

وے مر چکے جو رونق بزم جہان تھے
اب اٹھیے درد یاں سے کہ اب یار سو گئے

آج نالوں نے مرے اور ہی دل سوزی کی
زخم دل جتنے تھے یاں سب کی جگردوزی کی

جی پہ رہتی ہی چڑھی زلف کسو کی میرے
اور تو کیا کہوں یاں اپنی سیہ روزی کی

غیر بکتے ہیں عبث میرے پیارے تیری
بے وفائی نہیں محتاج بدآموزی کی

کیونکہ تشبیہہ ترے ساتھ اُسے دے کوئی
شمع کو آتی نہیں طرح دل فروزی کی

شعر کی فکر بن آتی ہی اُسی سے جس کو
درد کی طرح کبھو فکر نہو روزی کی

جوں سخن اب یاد اک عالم رہے
زندگانی تو چلی جا ہم رہے

تا ابد جوں قطرہ مجھسا منفعل
جس جگہ سجدہ کرے وہ نم رہے

یہ چلا آنکھوں سے دل ہو کر گداز
منہ پر آکر جم رہے تو جم رہے

رک نہیں سکتی ہی یاں کی واردات
کب یہ ہوسکتا ہی دریا تھم رہے

ہی زمانہ وہ کہ مثل آسماں
جس کے آگے اہل رفعت خم رہے

ہم ہی اس وحشت سرا سے نیں اُداس
اور بھی جو آئے سو یاں کم رہے

ہی محالِ عقل زیرِ آسماں
حرص ہو جس دل میں وہ خرم رہے

کبک آتش کیا کرے یوں قہقہے
چہچہیوں کے گھر سدا ماتم رہے

رکھ نفخت فیہ من روحی کو یاد
جب تلک اے درد دم میں دم رہے

بلبل نہ برآئے باغباں سے
گل کا بھی نہ کچھ چلے خزاں سے

لیتے ہیں مژہ سے کام ابرو
یہ تیر ملے نہ گو کماں سے

جوں غنچہ وبالِ دل ہی غافل
ہر خندہ کہ نکلے ہی دہاں سے

مانندِ صبا تری گلی مین
جو کوئی گیا پھرا نہ واں سے

ہی سیف زباں تری سیہ مست
کہہ ساغرِ چشمِ دل ستاں سے

دُو ہیں وہ ہوا قلم کے مانند
جو حرف نکل گیا زباں سے

شبِ خوں کے لیئے فلک پھرے ہی
کھینچے ہوئے تیغ کہکشاں سے

ہر آن ہی واردات دل پہ
آتا ہی یہ قافلہ کہاں سے

بدنام کرے ہی دخترِ رز
مُغ اُس کو نکال اپنے یاں سے

ہی مثلِ چراغ دردؔ میرا
دشمن دمِ عیسوی بھی جاں ہی

نہ ہاتھ اُٹھاے فلک گو ہمارے کینے سے
کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے

نہیں خیال مجھے خاتمِ سلیماں کا
برنگ نام ہوں پرکندہ دل نگینے سے

بسانِ دانۂ انگور می پرستوں نے
لیا ہی فیض مرے دل کے آبگینے سے

ترقی اور تنزل کو یاں کے کچھ عرصہ
مثال ماہ نہ زیادہ نہیں مہینے سے

مجھے یہ ڈر ہی دلِ زندہ تو نہ مرجاوے
کہ زندگانی عبارت ہی تیرے جینے سے

مآل کار سمجھایا قسبور نے ہم کو
یہ نقد مال لگا ہاتھ اس دفینے سے

بسا ہی کون ترے جی میں گلبدن ای دردؔ
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

جی کی جی ہی میں ہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے مُلاقات نہ ہونے پائی

دید وا دید ہوئی دور سے میری اُس کی
پر جو میں چاہا تھا سو بات نہ ہونے پائی

کون وہ بے سر و ساماں ہی کہ یا رب جز اشک
جس کی خاطر کہیں برسات نہ ہونے پائی

اُٹھ چلے شیخ جی تم مجلسِ رنداں سے شتاب
جی میں منظور تھی جو آپ کی خدمت گاری

ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی
سو تو ای قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

جی فنا ہو ہی گیا اک نگہِ گرم کے ساتھ
درد کچھ اور عنایات نہ ہونے پائی

فرصتِ زندگی بہت کم ہی
مغتنم ہی یہ دید جو دم ہی

گو سراپا ہی آب آئینہ
اپنی آنکھوں میں چشم نے نم ہی

دلِ صد چاک ہی گلِ خنداں
شادی و غم جہاں میں توام ہی

دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہی
دونوں عالم کا ایک عالم ہی

خیر و شر کو سمجھ کہ وُو ہی زہر
سانپ کی زیست ہی تجھے سم ہی

مت عبادت پہ پھولیو زاہد
سب طفیلِ گناہِ آدم ہی

سلطنت پر نہیں ہی کچھ موقوف
جس کے ہاتھ آوے جام سو جم ہی

اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن
جو شجر ہی سو نخلِ ماتم ہی

نہ ملیں گے اگر کہے گا تو
تیری خاطر ہمیں مقدم ہی

دلِ عاشق کی سنے قراری کو
وہ ہی سمجھے ہی جو کہ محرم ہی

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہ ہی رونا ہی نت وہی غم ہی

دل مرا باغِ دل کشا ہی مجھے
دیدہ جامِ جہاں نما ہی مجھے

چشم نقشِ قدم ہوں میں بیکس
خاک آنکھوں میں توتیا ہی مجھے

مجھ سے ہر چند تو مکدر ہی
تجھ سے پر اور ہی صفا ہی مجھے

کہیں خاموش ہو کہ مثل شمع — ای زباں تجھ سے ہی گلا ہی مجھے
پانوں لرزے ہی مست کی مانند — شیشہ ہی ہر آبلا ہی مجھے
دم دیتیرے بھلے کو کہتا ہوں — یہ نصیحت سے مدعا ہی مجھے
ورنہ اِن سے مروتوں کے لیے — اور بھی ہو خراب کیا ہی مجھے

ق

یا رو مرا شکوہ ہی بھلا کیجیے اُس سے — مذکور کسی طرح تو جا کیجیے اُس سے
جوں جوں وہ کٹے ہی تو یہی آتی ہی جی میں — پھر چھیڑ لے اور باتیں سنا کیجیے اُس سے
سو مرتبہ یوں ٹھہر چکی۔ اب سے نہ ملیے — وہ بھی تو نہیں بنتی ہی۔ کیا کیجیے اُس سے
بیزار اگر مجھ سے ہو مختار ہو، بہتر — دل جس سے ملے اپنا ملا کیجیے اُس سے

ہم کہتے نہ تھے درد میاں چھوڑ یہ باتیں
پائی نہ سزا اور وفا کیجیے اُس سے

سر سبز تھا نیستاں میرے ہی اشک غم سے — تھے سیکڑوں ہی نالے وابستہ ایک دم سے
واقف نہ یاں کسو سے ہم ہیں نہ کوئی ہم سے — یعنی کہ آ گئے ہیں بہکے ہوئے عدم سے
ہیں گو نہیں ازل سے پر تا ابد ہوں باقی — میرا حدوث آخر جا ہی بھڑا قدم سے
گر چاہیے تو ملیے اور چاہیے نہ ملیے — سب تم سے ہو سکے ہی ممکن نہیں تو ہم سے
مشتاق گر ترا کچھ لکھے تو کیا عجب ہی — ہوں مثل نرگس آنکھیں پیدا ابھی قلم سے
ہرچند یہ تمنا درخور نہیں ہمارے — نزدیک تو جو آوے کیا دور ہی کرم سے
اب ہیں کہاں وہ نالے سرگشتگی کدھر ہی — تھیں سب یہ باتیں ثابت تیرے ہی مقدم سے
ہی اک نگاہ کافی گو ہووے گاہ گاہے — چنداں نہیں ہی مطلب عاشق کو بیش و کم سے
کاہے کو ہوتی تم کو گردش نصیب طالع — گر پانوں اپنا باہر رکھتے نہ ہم عدم سے

آتنے ہیں دام میں کب خورشید رو کسو کے
ای شیخ یہ نہیں ہیں تسبیح کے سے شمسے

ہی درد پر بھی کچھ تو میری ہی سی مصیبت
گھیرے ہی اور ہی غم چھوٹے جو ایک غم سے

مراجی ہی جب تک تری جستجو ہی
خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا
تمنا ہی تیری اگر ہی تمنا
کیا سیر سب ہم نے گلزار دنیا
غنیمت ہی یہ دید وادید یاراں

زبان جب تلک ہی یہی گفتگو ہی
میں بے صبر اتنا ہوں وہ تند خو ہی
تری آرزو ہی اگر آرزو ہی
گل دوستی میں عجب رنگ و بو ہی
جہاں مند گئی آنکھ میں ہوں نہ تو ہی

نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی رو برو ہی

روندے ہی نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے
ای گل تو رخت باندھ اٹھاؤں ہیں آشیاں
رہتی ہی کوئی بن کیے میرے تئیں تمام
پتھر تلے کا ہاتھ ہی غفلت کے ہاتھ دل
کچھ اور کنج غم کے سوا سوجھتا نہیں
جاتا ہوں خوش دماغ جو سن کر آسے کبھو

ای عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
گلچیں سمجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے
جوں شمع چھوڑنے کی نہیں یہ زباں مجھے
سنگ گراں ہوا ہی یہ خواب گراں مجھے
آتا ہی یاد جب کہ وہ کنج دہاں مجھے
بدلے ہی وو ہیں نظر میں وہ دیکھا جہاں مجھے

جاتا ہوں بس کہ دم بدم اخباب کے میں ملا
ہی خضر راہ درد یہ ریگ رواں مجھے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی جاہے خانۂ زنجیر سے

قدر مردوں کی سمجھنے کے نہیں یہ مایہ دار
جوہری واقف نہ ہووے جوہر شمشیر سے

دیکھنا تو آکے از خود رفتگاں کا حال ٹک
جابجا سب پشت بر دیوار ہیں تصویر سے

منعم ایسے قصر لاکھوں مل گئے ہیں خاک میں
جز خرابی کے بنا کیا فائدہ تعمیر سے

دردا اب ہنستے ہیں رونے پر مرے سب خاص و عام
کیا ہوئے وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ہم چشمی ہی وحشت کو مری چشم شرر سے
آتے ہی نظر پھر وہیں غائب ہو نظر سے

ای ہم وطناں اپکی یہ غیرت زدہ ہرگز
پھرنے کا نہیں عمر کے مانند سفر سے

کیوں تیغ تری دشمنی کرتی ہی مرے ساتھ
مجھکو تو نہیں کام کسو کی بھی کمر سے

جاؤں میں کدھر جوں گل بازی نہ مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ہی ادھر سے نہ اُدھر سے

کعبے بھی بھلا شیخ ترے ساتھ چلیں گے
ایدھر کو پھریں گے ہم اگر یار کے گھر سے

اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا رُکے ہی
ای کاش یہ ابر مژہ دل کھول کے برسے

کھلتی ہی مری آنکھ جو احوال پہ اپنے
جوں شمع گھٹا جاتا ہوں میں اپنی نظر سے

ای سنگ جو کچھ تونے کیا شیشے کے حق میں
کرتا ہی کوئی بھی یہ سلوک اپنے جگر سے

۴

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہ ہووے
تو کوئی نظر قابل دیدار نہ ہووے

سر رشتۂ الفت ہی بڑا شیخ و برہمن!
یہ رشتہ بجز سبحہ و زنار نہ ہووے

گر قید ہی قسمت میں ہی کچھ اور ہو یا رب
پر دل تو کسو دل سے گرفتار نہ ہووے

پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

دل! ایسے ستمگار سے اظہارِ محبت — ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

گر زندگی اس طور سے ای دردؔ جہاں ہیں
خاطر پہ کسو شخص کے تو بار نہ ہووے

دیا ہی کس کی نظر نے یہ اعتبار مجھے کہ ایک دم بھی نہیں ہے پاس یار مجھے
سوا ے تیرے کسو سے نہیں ہی واشدیاں مثال آئنہ ای چشم انتظار مجھے
ہمیشہ اپنی نظر میں سبک میں رہتا ہوں دیا ہی اوروں کی نظروں میں گو وقار مجھے
کبھو ہی جی میں گذرا خیالِ سرتابی بزنگِ سایہ بنایا ہی خاکسار مجھے
تمھارے وعدے بتاں خوب میں سمجھتا ہوں رہا ہی ایسے ہی لوگوں سے کاروبار مجھے
یہ کون برق تجلی ہوا ہی آفتِ جاں کہ ایک دم نہیں جوں شعلہ اب قرار مجھے
جفا و جور تو ظالم سبھی گوارا ہیں مگر یہ رسمِ جدائی ہی ناگوار مجھے
یہ آپ ہی آپ کدھر تیوریاں بدلتے ہو دکھائیے تو سہی منہ بھی ایک بار مجھے

اس امر میں بھی پہنے لے اختیار ہی بندہ
ملا ہی دردؔ اگر یاں کچھ اختیار مجھے

فرض کیا کہ ای ہوس یک دو قدم ہی باغ ہی آپ کہیں کو اُٹھیے سو کب یہ دل و دماغ ہی
دیکھیے جس کو یاں اُسے اور ہی کچھ دماغ ہی گر رنگِ شب چراغ بھی گو ہر شب چراغ ہی
غیر سے کیا معاملہ آپ ہی ہیں اپنے دام میں قیدِ خودی نہ ہو اگر پھر تو عجب فراغ ہی
حال کبھو تو پوچھیے میں جو کہوں سو کیا کہوں دل ہی سو ریش ریش ہی سینہ سو داغ داغ ہی
کھو نہ سکے کبھو خمار میرے نشے کی آبرو دیدۂ آئینے کی طرح تجھ سے بھرا ایاغ ہی
سنتے ہیں یوں کہ آہ تو ہم میں ہی چھپ رہا کہیں اپنی تلاش سے غرض ہم کو ترا سراغ ہی

۴

غفلت دہی ہی نغمہ سنجیٔ گوشِ خلق دہر
بلبل داستاں سرا۔ ورنہ۔ ہر ایک باغ ہی

اپنے تئیں تو ہر گھڑی غم ہی الم ہی داغ ہی / یاد کرے ہمیں کبھی کب یہ تجھے دماغ ہی
جی کی خوشی نہیں گرو سبزہ و گل کے ہاتھ کچھ / دل ہو شگفتہ جس جگہ وہی چمن ہی باغ ہی
کس کی یہ چشم مست نے بزم کو یوں چھکا دیا / مثل حباب سرنگوں شرم سے ہر ایاغ ہی
جلتے ہی جلتے صبح تک گذری اسے تمام شب / دل ہی کہ شعلہ ہی کوئی شمع ہی یا چراغ ہی
پائیے کس روش بتا اے بت بے وفا تجھے / عمر گزشتہ کی طرح گم ہی سدا سراغ ہی

سیر بہار و باغ سے ہم کو معاف کیجیے
اس کے خیال سے تو یاں دہر کسے فراغ ہی

لحظہ بہ لحظہ یاں نیا داغ پہ اور داغ ہی / تو بھی ادھر نگاہ کر ساحتِ سینہ باغ ہی
تیری نگاہِ مست نے جب سے یہ کی ہی مے کشی / خون سے اپنے مثل گل ہم نے بھرا ایاغ ہی
دولتِ فقر کے حضور گرد ہی جاہِ سلطنت / کہتے ہیں جس کو یاں ہما اپنی نظر میں زاغ ہی
اس کے خیالِ زلف نے سب سے ہمیں چھڑا دیا / گرچہ پھنسے ہیں دام میں دل کے تئیں فراغ ہی
ہم نے کہا بہت اسے پر نہ ہوا یہ آدمی / زاہدِ خشک بھی کوئی سخت ہی خر دماغ ہی

۵

اہل نظر کو بینا دہر نہیں ضرور کچھ
مثل شرر وہی ہی چشم اور وہی چراغ ہی

پھنسیے کسی کی زلف میں کب یہ ہمیں فراغ ہی / لیجیے تو شمیم سے سو بھی کہاں دماغ ہی
شعلۂ دل کو ہر گھڑی اے دمِ یاس مت بجھا / اپنی بساط میں تو یاں ایک یہی چراغ ہی
ہووے رقیبِ روسیہ آپ کے ساتھ جا بجا / کچھ بھی ہی ربط سمجھیے ہمرہِ کبک زاغ ہی

قصہ ہی جس طرح جسنے پہونچئے آپ تک کہیں
دن بھی یہی ہی جستجو رات یہی سُراغ ہی

درد وہ گل بدن مگر تجھکو نظر پڑا کہیں
آج تو اس قدر بتا کس لیے باغ باغ ہی

پہلو میں دل تپاں نہیں ہی
ہر چند کہ یاں ہی یاں نہیں ہی
عالم ہو قدیم خواہ حادث
جس دم نہیں ہم، جہاں نہیں ہی
ڈھونڈے ہی تجھے تمام عالم
ہر چند کہ تو کہاں نہیں ہی
عنقا کی طرح میں کیا بتاؤں
جز نام مرا نشاں نہیں ہی
جوں شمع نہ راز دل کہوں گا
ایسی بھی مری زباں نہیں ہی
وعدے پہ ہو کیونکہ یاں تسلّی
ہرگز یہ مجھے گماں نہیں ہی

فریاد کہ درد جب تلک میں
تیار ہوں، کارواں نہیں ہی

عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہی
پر یہ لذت تو وہ ہی جی ہی جسے پاتا ہی
آہ کب تک میں بکوں تیری بلا سنتی ہی
باتیں لوگوں کی جو کچھ دل مجھے سنواتا ہی
ہم نشیں پوچھ نہ اُس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا ہی
بات کچھ دل کی ہمارے تو نہ سلجھی ہم سے
آپ ہی خوش ہوا پھر آپ ہی گھبراتا ہی
جی کڑا کر کے ترے کوچے سے جب جاتا ہوں
دل دشمن یہ مجھے گھیر کے پھر لاتا ہی
راہ پیڑے کبھو اس شوخ کے تئیں ہم سے بھی
دید وادید تو ہوتی ہی جو ل جاتا ہی

درد کی قدر مرے یار سمجھنا واللہ
ایسا آزاد ترے دام میں یوں آتا ہی

یہ تحقیق ہی یا کہ افواہ ہی
اگر نے حجابانہ وہ بُت ملے
عدم رفتگاں کو جو کہنا ہی پکچھ
نہ یاں علم و دانش نہ فضل و ہنر
گئے نالہ و آہ سب ہم نفس
خدا اُس کو رکھے سلامت کہ ہے

کہ دل کے تئیں دل سے یاں راہ ہی
غرض پھر تو اللہ ہی اللہ ہی
تو قاصد ہمارا سرِ راہ ہی
فقط ایک دل ہی کہ آگاہ ہی
دمِ سرد ہی اک ہوا خواہ ہی
خبر گیر دل گاہ نا گاہ ہی

یہ کیا ذرد تجھ پر مصیبت پڑی
کہ دن رات نالہ ہی اور آہ ہی

دشنام دے ہی غیر کو تو جان کر مجھے
کل کی طرح سے آج بھی اب نیند آ چکی
کہتا ہی اک نگاہ پہ آئینہ رو مرا
آنا یہ بند خانہ اگر تجھ کو عار ہی
ہوں روبروے چشم تو ہیں سرمہ در گلو
صدقے ترے ہیں کب تئیں ٹرپا کروں عبث

پیارے یہ لطف کیجیے پہچان کر مجھے
گھر اُسی خرابی نے پھر آن کر مجھے
بس اور اب زیادہ نہ حیران کر مجھے
دولت سرا میں اپنے ہی مہمان کر مجھے
پر کہیو زلف سے نہ پریشان کر مجھے
ہی روزِ عید آج تو قربان کر مجھے

ہیں شعر فہم جتنے زمانے میں لا کلام
اے درد مانتے ہیں یہ سب آن کر مجھے

یاں غیب کے جلوے کے تئیں جلوہ گری ہی
گر ناز کی عشق تجھے رنگ دکھا دے
جوں شیشۂ ساعت ہیں تنک ظرف جہاں کے

جو شخص کہ گزرا ہی نظر سے نظری ہی
ہر سنگ میں شیشہ ہی بہر شیشہ پری ہی
گر دل میں کدورت ہی تو یاں یاد بھری ہی

سو طرح سے دیتے ہیں اُسے پیچ ہنرمند
مجھ سے نہیں ملتا یہ مری نے ہنری ہی

دل تنگ ہی یہ غنچۂ دل منہ نہ کھلاتا
جوں نکہت گل اس میں تری پردہ دری ہی

ہی جوں مہ و خورشید زر و سیم میسر
تو بھی تو حریصوں کے تئیں دربدری ہی

لیتا ہی خبر وہ تو سبھی خلق کی لیکن
اپنے تئیں ای دردؔ بہت بے خبری ہی

مجکو تجھ سے جو کچھ محبت ہی
یہ محبت نہیں ہی آفت ہی

لوگ کہتے ہیں عاشقی جس کو
میں جو دیکھا بڑی مصیبت ہی

بند احکام عقل میں رہنا
یہ بھی اک نوع کی حماقت ہی

ایک ایمان ہی بساط اپنی
نہ عبادت نہ کچھ ریاضت ہی

آپھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں
دردؔ یہ بھی خدا کی قدرت ہی

گل اگر سنگھ ہو بعضے بھید کچھ کہکر گئے
بلبلو کتنے ہی غنچے رازِ دل نہ کر گئے

چند مدت اب تم ای یاران آئندہ رہو
پیش ازیں یک چند اس بستی میں ہم رہ کر گئے

آنسوؤں میں کچھ جگر کے بھی ہیں ٹکڑے بعض بعض
یہ نہیں معلوم لخت دل کدھر بہ کر گئے

یہ نہ سمجھے اور ہی شاطر نے شہ دی تھی انھیں
زعم میں اپنے سلاطیں آپ کو شہ کر گئے

کشتگان عشق کی بنیو خدا سے خوب دردؔ
سخت صدمے یہ بتوں کے ہاتھوں یاں سہ کر گئے

شخص و عکس اس آئنہ میں جلوہ فرما ہو گئے
ان نے دیکھا اپنے تئیں ہم اس میں پیدا ہو گئے

آئے تھے اس مجمعے میں قصد کر کے دور سے
ہم تماشے کے لیے آپ ہی تماشا ہو گئے

شیخ صاحب پھنپو چھو خلق ہی وہ پُر فساد
جس میں یاں اصلاح سے ہی فتنے برپا ہو گئے

آہ وہ شخص جو دیتے تھے نہیں غیب کی
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں ان کو لوگ کیا ہو گئے

دل ہی کچھ تنہا خفا ہو کے نہ یاں سے پھر گیا
ہم بھی تو ای درد چلنے کو مہیا ہو گئے

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہی یا کوئی طوفان ہی
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام ان گلوں سے ای صبا
ایک دم آئے ادھر اودھر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

آہ بس جی مت جلا تب جانیئے
جب کوئی افسوں ترا اُس پر چلے

ایک میں دل ریش ہوں ویسا ہی دوست
زخم کتنوں کے سنا ہی بھر چلے

شمع کے مانند ہم اس بزم میں
چشم نم آئے تھے دامن تر چلے

ڈھونڈھتے ہیں آپ سے اس کو پرے
شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے
وہ ہی آڑے آ گیا جیدھر چلے

ہم جہاں میں آئے تھے تنہا ولے
ساتھ اپنے اب اُسے لیکر چلے

جوں شرر ای ہستی بے بود یاں
بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہی چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہی یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

بات جب آن دان پڑتی ہی — تب کہیں تیر کی سی کان پڑتی ہی
آتش عشق قہر آفت ہی — اک بجلی سی آن پڑتی ہی
آخر الامر آہ کیا ہوگا — کچھ تمہارے بھی دھیان پڑتی ہی
بات چڑھتی ہی دل پہ جو آخر — خلق کے پھر زبان پڑتی ہی
میرے احوال پر نہ ہنس اتنا — یوں بھی اے مہربان پڑتی ہی

شعر ہی اور درد ہی یعنی
بات میں اور ہی جان پڑتی ہی

اک آن سنبھلتے نہیں اب میرے سنبھالے — نے طرح کچھ ان آنسوؤں نے پاؤں نکالے
جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا آنکھیں ہیں ناچار — صدقے ترے اکبار تو منہ اپنا دکھالے
ایسے سے کوئی اپنے تئیں کیونکہ بچاوے — دل زلفوں سے بچ جاے تو آنکھوں سے چرالے
وہ سرخ لباس اس کے گلے میں نظر آیا — جس کے ہیں مرے دل میں پڑا اپنے تئیں لالے
کب تجھ پہ گذرتا ہی کبھو میرا سا احوال — یوں چاہیے سو تو اور بھی کچھ باتیں بنالے
کیا جانیے کس دل کے تئیں آہ ڈسیں گے — زلفوں نے تو بے طرح یہ اب چھوڑے ہیں کالے
پھر آگئے قیامت ہی اگر اب بھی نہ آؤ — مر مٹ کے جدائی کے دن اتنے تو ہیں ٹالے
ابرو نے تری جس طرف اب تیغ نبھالی — مژگاں نے وہیں کر دیئے تب سامنے بھالے

وعدے کی تو مدت نہ کبھی درد کچھ اس نے
اس غم کو بھلا کہیئے کوئی کب تئیں ٹالے

غیر جو بے فائدہ ہاتھوں پہ گل کھایا کیے — ہم بھی ناحق داغ اپنے دل کے تئیں کھلایا کیے
دل گیا دل جانے مجھے شکوہ تو ملنے کا نہیں — گاہ گاہے پاس میرے آپ تو آیا کیے

دن تمھارے تو کٹے بارے خوشی سے ہر طرح
دل برا ہوتا ہے کوئی تجھ سے پر یوں ہی عبث
چین تو ہم کو نہ آیا ایک ساعت اس بغیر
دیکھنے پاتا نہیں ہے کوئی جس کی چھانوں یاں
اپنے دروازہ تلک بھی وہ نہ آیا ایک بار
یا تو وہ راتیں تھیں یا یہ کچھ دنوں کا پھیر ہے

ہم بلا سے یاں پڑے راتوں کو گھبرایا کیے
ہم سدا غیروں سے ملنا سن کے گھبرایا کیے
رات دن ہر چند اپنے دل کو بہلایا کیے
لے چلی ہے آج ہم کو وہ پری سایا کیے
ہر گھڑی اٹھ اٹھ کے ہم جس کے لیے جایا کیے
ہاتھ اب لگتے نہیں تب پانوں دبوایا کیے

تب ہمارے اس کے اب تک یوں نہیں بگڑی تھی دیا
بات ایسی ویسی ہم خاطر میں کم لایا کیے

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے
بساط اپنی میں ہم تھے آپ سو اب تو نہیں ملتے
نہ پوچھو کچھ ہمارے ہجر کی اور وصل کی باتیں
وفا کی چھینٹ بھی تجھ پر پڑی ہرگز نہ اے ظالم

بس اب اک ساتھ ہم دونو جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھے
نہ تھا کچھ اور اپنے پاس جو رکھتے سو کھو بیٹھے
چلے تھے ڈھونڈنے جس کو سو وہ ہی آپ ہو بیٹھے
لگا تھا خون داماں سے سو وہ بھی آپ دھو بیٹھے

نہ اٹھو تم دا اپنے بستر سے طمع کر ہرگز
جو کچھ یوں غیب سے آوے سو تم البتہ لو بیٹھے

جو یاں کچھ چاہنے والے قریب یک دگر بیٹھے
نہ پوچھو عشق کی سوزش نے عالم میں کیا کیا کیا
محبت نے تمھاری دل میں بھی اتنا تو سر کھینچا
کوئی دن اور بھی ہم کو پھرا لے گردش دوراں
نہ آنا تھا بھرا جی میں سو اب تو کچھ کرو خالی

ہم اپنا دل بغل میں داب لیکر آہ کر بیٹھے
عجب طوفاں اٹھائے یہ کہ جس سے گھر کے گھر بیٹھے
قسم کھانے لگے تب ہاتھ میرے سر پہ دھر بیٹھے
نہیں اٹھنے کے پھر ہرگز کہیں اب کے اگر بیٹھے
کہ دن جتنے تھے وعدوں کے نہ ملنے سے ہی بھر بیٹھے

پر کہا کس لیے اتنا کوئی جانے جو کچھ جانے
سدا رہتے ہیں یوں تو لوگ یاں ایدھر اودھر بیٹھے

کوئی بیٹھ اُس کنے یاں جا سکے ہے اس طرح جلدی
چلے تھے ہر گھڑی اُٹھ اُٹھ کے ہم اے درد پر بیٹھے

کبھو نوٹلے وفائی یاد آ جی کو ڈراتی ہے
چھلاوا سا جو ہو جاتا ہے جلوہ وصل کا گاہے
کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا
اگر رستم ہو تو بھی کب یہ صدمہ تھم سکے اس سے

کبھو امید وعدوں کی بھروسے یاں دلاتی ہے
جدائی پھر تو اک مدت عوض کیا کیا دکھاتی ہے
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے
تپش دل کی سنبھالوں یوں تو میری ہی چھاتی ہے

پھرے ہے اس طرح جو آج تو اے درد بیخود سا
بتا ہم کو بھی ٹک بارے وہ کیا آفت کہ آئی ہے

ہر گھڑی ڈھانپا چھپانا ہے
وصل سے بھی تو سیری ہوتی ہے
دل لگاؤ کہ یا گلے ہی لگو
ترچھی نظروں سے دیکھنا ہر دم
یہی اپنی بھی گوں کی باتیں ہیں
واہ رے یہ زبان کی تیزی

الغرض نو بنو دکھانا ہے
کہیں اس بات کا ٹھکانا ہے
داؤ ہے لگئے جو لگانا ہے
یہ بھی اک بانکپن کا بانا ہے
آ ہی جانا جدھر کو آنا ہے
ہر طرح کچھ نہ کچھ سنانا ہے

دیکھیو کیجیو نہ سنے دردی
درد کو بھی تو منہ دکھانا ہے

دل تجھے کیوں ہے سنے کی ایسی
کون دیکھی ہے اچپلی ایسی

سب بُرا کہتے ہیں تو کہنے دو
بات لاے ہو تم بھلی ایسی

وہ ملے گا تو ہم بھی ملتے ہیں
آپ لگ کے چلے کیا چلی ایسی

خون ہوتا ہی دل کا یاں آؤ
مہندی پانوں میں کیا ملی ایسی

اُس کے گھر میں کدھر سے پہونچیے جا
دل بتا دے کوئی گلی ایسی

مُسکرایا خوشی سے وہ جس طرح
باغ میں کب کھلی کلی ایسی

دمبدم گھبرا کے تو جو یوں چونکا
کیا اُٹھی جی میں کھلبلی ایسی

کیف و کم کو دیکھ اُسے نے کیف و کم کہنے لگے
جب عدم و شاپنا کھلا راز قدم کہنے لگے

غیر کچھ کچھ کان میں بھی دم بدم کہنے لگے
بات تم اب اپنے دل کی ہم سے کم کہنے لگے

واہ وا قسمت کی مجبوری کو دیکھا چاہیے
وہ ہوا نے پردہ تب ہم اُس کو ہم کہنے لگے

غافلو تم بات اپنی بھی سمجھتے ہی نہیں
ہر کسی کا وہ دہن جس کو عدم کہنے لگے

بت پرستی کفر یاں دل کی گرفتاری ہی دمبدم
چاہنے جس کو لگے اس کو صنم کہنے لگے

دشوار ہوئی ظالم تجھ کو بھی نیند آنی
لیکن سُنی نہ تو نے ٹک بھی مری کہانی

منظور زندگی سے تیرا ہی دیکھنا تھا
ملتا نہیں جو تو ہی پھر کیا ہی زندگانی

محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے
ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی

مرنے سے آگے کیا ہی مرجائیں گے تو مرجائیں
بہتر نہ ملیے ہم سے گر یوں ہی جی میں ٹھانی

میرے غبار کا کچھ پایا نشان نہ ہرگز
صحرا میں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی

جب کہیں کہ ٹک خبر لینا
دل پہ آفت ندان ہی پیارے

ایک دم میں تو جی ہی جاتا ہی
زیست اب کوئی آن ہی پیارے

تب لگا کہنے سچ یوں ہی ہوگا
کیا پر اس کا بیان ہی پیارے

میرے دل کی جو پوچھیے یہ ہی
جان تو اپنی جان ہی پیارے

تجھ سے مر جائیں گے تو مر جائیں
جان ہی تو جہان ہی پیارے

تیری گلی میں میں نہ چلوں اور صبا چلے
یوں ہی خدا جو چاہے تو بندے کی کیا چلے

کس کی یہ موجِ حسن ہوئی جلوہ گر کہ یوں
دریا میں جو حباب سے آنکھیں چھپا چلے

ہم بھی جرس کی طرح تو اس قافلے کے ساتھ
نالے جو کچھ بساط میں تھے سو سنا چلے

کہیو نہ درد کہ اہلِ وفا ہوں میں
اس سنے وفا کے آگے جو ذکرِ وفا چلے

جتنی بڑھتی ہی اتنی گھٹتی ہی
زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہی

زلف کی کج ادائیاں دیکھو
ہر گھڑی منہ سے جا لپٹتی ہی

آج ہی آہ کی ہوا کچھ اور
دیکھیے کس طرف پلٹتی ہی

جو خرابی کہ درد یاں پھیلی
دستِ قدرت سے کب سمٹتی ہی

گر نامِ عاشقی ترے نزدیک ننگ ہی
کرنے نہ قتل مجھکو تو پھر کیا درنگ ہی

اس خانماں خراب کے لیجاؤں میں کہاں
دل پر تو یہ فضائے بیاباں بھی تنگ ہی

تیری درشتیوں کو سمجھتا ہوں آشتی
تجھ کو یہ میرے ساتھ عبث عزمِ جنگ ہی

کرتا ہی اس قدر تو خفا درد کو عبث
ظالم وہ اپنی جان سے آپ ہی تنگ ہی

آہستہ گذر یو تو صبا کوے یار سے
اُس سنگ دل کی وعدہ خلافی کو دیکھیے
سینے کو چاک صبح کے مانند گر کروں

پیچش نہ کیجیو مری مشتِ غبار سے
پتھرا گئی ہیں آنکھیں مری انتظار سے
جوں آفتاب نکلے مرا دل کنار سے

ای درد غیر کا نہیں شکوہ مرے تئیں
جو کچھ گلہ ہی مجھ کو سو ہی اپنے یار سے

دیکھ لوں گا میں اُسے دیکھیے مرتے مرتے
لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یاں مجلس ہی
جو گیا کوچے میں اُس کے نہ پھرا ایدھر کو

یا نکل جائیگا جی نالے ہی کرتے کرتے
خالی ہو جاے ہی پیمانے کے بھرتے بھرتے
ای صبا جاتی تو ہی جائیو ڈرتے ڈرتے

درد جوں نقشِ قدم تھا سرِ رہ پر اُس کے
مٹ گیا اوروں ہی کے پانوں سے دھرتے دھرتے

آیا ہی ابر اور چمن میں بہار ہی
ظالم سمجھ کے اپنے نظر چھپکیو کہیں
روتا نہیں ہی فنا ہر مینا پہ بے سبب

ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ہی
گزرا جدھر یہ تیر تو پھر وار پار ہی
گردن پہ اُس کی خون کسی کا سوار ہی

نادان نظر سے اپنی گرا دے نہ درد کو
جو کچھ کہ ہی سو ہی یہ ترا دوست دار ہی

مدت ہوئی کہ ویسی عنایات رہ گئی
یاں کون آشنا ہی ترا کس کو تجھ سے ربط
بازی بدی تھی اُس نے مری چشمِ تر کے ساتھ

اب گاہ گاہ سید ہی ملاقات رہ گئی
کہنے کو یہ بھی لوگوں کے اک بات رہ گئی
آخر کو ہار ہار کے برسات رہ گئی

وہ دختِ رز کہ چھلتی پھرے ہے جہاں کو
کہتے ہیں درد پاس بھی اک رات رہ گئی

گرچہ بیزار تو ہی پر اسے کچھ پیار بھی ہے
ساتھ انکار کے پردے میں کچھ اقرار بھی ہے

زاہدا شرکِ خفی کی بھی خبر تک لینا
ساتھ ہر دانۂ تسبیح کے زنار بھی ہے

چشمِ رحمت سے ادھر کو بھی نظر کیجئے گا
اسی اُمید پہ آیا یہ گنہگار بھی ہے

دل بھلا ایسے کو ای درد نہ دیجے کیونکر
ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے

جب نظر سے بہار گزرے ہے
جی پہ رفتار یار گزرے ہے

وہ زمانہ سے باہر اور مجھے
رات دن انتظار گزرے ہے

جس کے تو ہو کے سامنے گزرا
آپ سے بار بار گزرے ہے

نالۂ زار درد کا ہر اک
چھوٹتے دل کے پار گزرے ہے

تو چونکتا عبث ہے کسی بات کے لیے
میں آگیا ہوں صرف ملاقات کے لیے

یوں ہی تمام جھگڑے ہی رگڑے میں ہو گئی
ہر دن خراب پھرتے تھے جس رات کے لیے

اگلے معاملتے کو اگر کیجیئے معاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لیے

ہم جانتے ہیں درد اندھیرے میں رات کو
تو لگ رہا ہے کوچہ میں جس گھات کے لیئے

غمناکی بیہودہ رونے کو ڈبوتی ہے
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں موتی ہے

دم لینے کی فرصت یاں ٹک دی نہ زمانے نے
خورشید قیامت کا سر پر تو آ پہونچا
خورشید نہ تنہا ہے گردش میں زمانے کی

ہم تجکو دکھا دیتے کچھ آہ بھی ہوتی ہے
غفلت کو جگا دیتا کس نیند یہ سوتی ہے
یاں اپنے دلوں کے تئیں شبنم بھی تو روتی ہے

جو ملنا ہے دل پھر کہاں زندگانی
عجب خواب در پیش ہے پھر تو سب کو
دلاسا تو دیجو تو ٹک جاکے اُس کو
نجاوے گا جب تک مرے جی میں جی ہے

کہاں میں کہاں تو کہاں نوجوانی
سُنا لو ٹک اب اپنی اپنی کہانی
تڑپتی ہے بیکس مری جاں فشانی
ترا غم ہے پیارے مرا یار جانی

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول
جس دل پہ نے وفائیِ معشوق کے سبب
دل دے چکا ہوں اس بتِ کافر کے ہاتھ میں

جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے
یہ کچھ گزر چکا ہو وہ پھر چاہ کیا کرے
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خونِ دل رواں ہے
غنچہ ہے دل گرفتہ گل کا ہے چاک سینہ
آہوں کی کشمکش میں دیکھو کہیں نہ ٹوٹے
گمنام اب جہاں میں مجھ سا نہیں ہے کوئی

جو کچھ ہے میرے دل میں مُنہ پر مرے عیاں ہے
گلشن میں ہے تو یہ کچھ آسودگی کہاں ہے
تارِ نفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے
عنقا کا نام ہے تو پھر چند نے نشاں ہے

دل تڑپتا ہے درِ پہلو ہے
غم سے پہچانتا نہیں ہوں میں

جی نکل جائیو کہ قابو ہے
کہ مرا سر ہے یا کہ زانو ہے

منع صہبا نہ کر مجھے ای شیخ!
مے پرستوں کے حق میں دارو ہی

جلوہ گر ہی تجھی میں ای ذرّے
جس کی خاطر بجھے تگاپو ہی

ہستی ہی سفر، عدم وطن ہی
دل خلوت و چشم انجمن ہی
ہرچند کہ سنگ دل ہی شیریں
لیکن فرہاد، کوہ کن ہی
دیکھا تو یہ شورشِ من و ما
ہنگامۂ وصلِ جان و تن ہی
مت جا تر و تازگی پہ اس کی
عالم تو خیال کا چمن ہی

نہ وہ نالوں کی شورش ہی۔ نہ آہوں کی ہی وہ دھونی
ہوا کیا دردؔ کو پیارے گلی کیوں آج ہی سونی
جلا کر دیکھ نامے کو حقیقت گر نہیں پڑھتا
محبت کے شراروں نے یہ چھائی جس طرح بھونی
تپش کو دل کی میں جانا تھا یہ آنسو بجھا دیں گے
ولے یہ آگ تو پانی سے بھڑکی اور بھی دونی
پڑی ہی خاک پر یہ لاش اس رشکِ گلستاں کی
لہو کے آنسوؤں روتا ہی جس کو قتل کر خونی

تو اس قدر جو اس کا مشتاق ہو رہا ہی
کیا دل سے بھی زیادہ آئینہ میں صفا ہی
کوئی بھی شخص اس کا مارا ہوا نہ پنپا
دل مت کہیں لگا تا الفت بری بلا ہی
سیماب کشتہ کس کام الجبات کیدھر
گر جی کو مار سکیے ای دردؔ کیمیا ہی

کس کے تئیں نہ دیکھیے کس پہ نگاہ کیجیے
کھویے جس طرف نظر سمجھیے آہ ست کیجیے
عہد شکن ہو خواہ وہ دل شکنی کیا کرے
اس کی طرف سے ہو سو ہو آپ نباہ کیجیے
کعبہ کو بھی نہ جائیے دیر کو بھی نہ کیجیے منہ
دل میں کسو کے دردؔ یاں ہووے تو راہ کیجیے

نے وہ بہار واں ہے نہ یاں ہم عناں رہے
آباد رکھیو خانۂ دنیا کو اے سپہر

ملیے پھر اُس سے آہ پہ وہ دن کہاں رہے
یک چند ہم بھی آن کے یاں میہماں رہے

دل اپنے پاس گو کبھو رہتا نہیں ہے درد
پر جس کہی بھی دعا وہ رہے خوش جہاں رہے

اگر آہ بھریئے اثر شرط ہے
بڑا غبن فاحش ہے انسان میں
قدم عشق میں درد رکھتا تو ہے

وگر ضبط کریئے جگر شرط ہے
پرکھنے کو اُس کے نظر شرط ہے
وہ جانے کہاں ہیں خبر شرط ہے

لختِ جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہہ گئے
کس کس طرح سے ہم نے بھی سُن سُن کے ٹالیا
اُس کی نظر میں درد یہ کچھ بات بھی نہیں

کچھ پارہ ہائے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے
ہر چند ہم بھی باتوں میں کچھ کچھ تو کہہ گئے
دانست میں ہم اپنی جو کچھ سُن کے سہہ گئے

یہ زاہد کب خطا سے بے خطر ہے
علاج دردِ سر صندل ہے لیکن

اگر آدم نہیں تو بھی بشر ہے
ہمیں گھسنا ہے اُس کا دردِ سر ہے

سراپا چشم ہوں جوں آئینہ پر
کسو پر درد کب میری نظر ہے

کروں کس کے ساتھ اے شرر گرمجوشی
خبر اپنی لے اے گلستانِ خوبی
نپٹ مست ہے یہ نرگس چمن میں

نہ دیکھی زمانے کی تو چشم پوشی
کرے ہے تبسم ترا گل فروشی
کسو کی تو آنکھوں نے کی بادہ نوشی

جگر پہ داغ نے میرے یہ گلفشانی کی
کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کی

مری سی نالہ تراشی نہ کر سکا فرہاد
اگرچہ اُس نے بھی اک عمر تیشہ رانی کی

ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہوگئے بیزار
عجب ہی خضر نے کیونکر کہ زندگانی کی

دل سمت سینہ یا طرفِ سر کو منہ کرے
چھوڑا یہ در تو دیکھیے کیدھر کو منہ کرے

کب کم ہی مرغِ قبلہ نما سے بھی مرغِ دل
سجدہ اُدھر ہی کیجیے جیدھر کو منہ کرے

اُس کے تئیں بھی دخترِ رز ٹک تو منہ لگا
ہیں جانوں پھر یہ زاہد اگر گھر کو منہ کرے

مت اٹکیو تو اس میں کہ مشہود کون ہی
ہر مرتبہ میں دیکھیو موجود کون ہی

دونوں جگہ میں معنی مولا ہی جلوہ گر
غافل ایاز کون ہی محمود کون ہی

تجھ پر کھلا ہی راز الیہ المصیر اگر
ہر فعل میں سمجھیو کہ مقصود کون ہی

اک خلق سے بہیت ہوئے بے خبری ہے
کس زلف کی بو تجھ میں نسیم سحری ہی

ہر آہِ شرر بار ہی جوں سروِ چراغاں
کیا آگ الٰہی مرے سینہ میں بھری ہی

غافل تو کدھر بھٹکے ہی ٹک دل کی خبر لے
شیشہ جو بغل میں ہی اُسی میں [illegible] پری ہی

رباعیات

جان تو اک جہان رکھتا ہی
کون میری سی جان رکھتا ہی

تیرے یہ ڈھنگ اور تجھ سے میاں
درد کیا کیا گمان رکھتا ہی

نہیں چھوڑتی قیدِ ہستی سے مجھے
زمانے نے ای درد جوں گردباد

اگر کھینچ لے جاوے مستی سے مجھے
دکھائی بلندی و پستی سے مجھے

کیا جانیے کیا دل پہ مصیبت یہ پڑی ہے
اس طرح سے اک لخت جو آنسو نہیں تھمتے

اک آگ سی کچھ ہے کہ وہ سینے میں گڑی ہے
معلوم ہوا درد کہیں آنکھ لڑی ہے

بس ہے یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ
ای درد کیا عجب ہے مرے اشک و آہ سے

جاوے چراغ کوئی دلِ مہرباں جلے
ڈونے اگر زمین و گر آسماں سے جلے

آیا نہ چین جی کو نہ دل سے تپک گئی
اب کون حالِ دل کہے اس مستِ ناز سے

میں چپ ہے ہوں کہاں تئیں چھاتی تو پک گئی
اک آہ تھی سو وہ بھی سر اپنا پٹک گئی

دل ہی یہ بیقرار نہ ہووے تو کیا کرے
عاشق تو جانتا ہی نہیں اور کون ہے

اپنا جب اختیار نہ ہووے تو کیا کرے
اُس کو پر اعتبار نہ ہووے تو کیا کرے

نہ ملیے یار سے دل کو تو کب آرام ہوتا ہے
یہ حسن و عشق مل سمجھیں گے آپس میں جو ہوگا

وگر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے
پرائے دلوں کے بکھیڑے میں اپنا کام ہوتا ہے

یہی پیغام درد کا کہنا
کونسی رات آن ملیے گا

گر کوئی کوے یار میں گزرے
دن بہت انتظار میں گزرے

ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی
گریباں میں ہے مثلِ صبح اک تارِ نفس باقی

یکایک عشق کی آتش کا شعلہ اس قدر بھڑکا	نہ چھوڑا سرزمینِ دل میں کوئی خار و خس باقی
گلرخاں کا بحر و بر میں جو کہ ہے مدہوش ہے	ہم نے دریا میں بھی دیکھا بلبلوں کا جوش ہے
وصف خاموشی کے کچھ کہنے میں آسکتے نہیں	جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے
گر جان ہے تو جان کے آزار ساتھ ہے	یاں زندگی کے مردنِ دشوار ساتھ ہے
دنیا وہ فاحشہ ہے کسو سے نہیں نچی	دیکھا جسے تو اُس کے یہ مردار ساتھ ہے
پوچھ مت قافلۂ عشق کدھر جاتا ہے	راہ رُو آپ سے اس رہ میں گزر جاتا ہے
گو اُچٹتا ہے مرا نالہ بتوں کے دل سے	کچھ نہ کچھ کام تو اپنا بھی یہ کر جاتا ہے
گر معرفت کا چشمِ بصیرت میں نور ہے	تو جس طرف کو دیکھے اُسی کا ظہور ہے
آتی ہے دل میں اوہی صورت نظر مجھے	شاید یہ آئینہ بھی کسی کے حضور ہے
نہ کچھ غیر سے کام نے یار سے	کہیں چھوڑوں اس دل کے آزار سے
مجھے دیکے دشنام سے کہنے لگا	نہ ہوگا خوش اب بھی تو پیزار سے
غیر اس کوچہ میں اب دیکھا تو کم آنے لگے	تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے
کون ایسا آرہا ادھر کہ تم اس کی طرف	آنہ پھرتے تھے کبھو یا دم بدم آنے لگے

باب فردیات

سلجھتی بات جن طرحوں میں ہم ویسا ہی سلجھاتے	یہ اُلجھیڑ النظر آنا تو اپنا دل نہ اُلجھاتے

گل کھاے تھے جنھوں نے وہ گل کچھ نہ کچھ کھلے ٭ پر داغ اپنے دل کے تو سب خاک میں ملے
اگر نہاں ہے تو تو ہے وگر عیاں تو ہے ٭ غرض کہ دیکھ لیا میں جہاں تہاں تو ہے
دل کو سب قیدوں سے اس وقت میں آزادی ہے ٭ مر چکے اب نہ ہمیں غم ہے نہ کچھ شادی ہے
یارب سپہر اپنی تو اب در گزر کرے ٭ یہ خانماں خراب کسی دل میں گھر کرے
اس تیغ آبدار کا گر یہ ہی وار ہے ٭ پیارے تو زخمیوں کا ترے وار پار ہے
مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت جہاں تو ہے ٭ اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہاں تو ہے
نہ مرتے ہیں نہ نیند آتی نہ وہ صورت گزرتی ہے ٭ یہ جیتے جاگتے ہم پر قیامت سب گزرتی ہے
نہ یاں قصہ سکندر کا نہ مذکور سلیمانی ٭ ہماری بزم میں ہوتا ہے اور ہی ذکر سلطانی
ازبس کہ جہان نقش فنا کا ہی نگیں ہے ٭ دل جس سے لگا پھر سے دیکھا تو نہیں ہے
طلسم ہستی موہوم دل پہ سخت چنبر ہے ٭ برنگ عکس مجکو آئنہ سد سکندر ہے
تعین گر مٹے دل سے تو کفر آثار ہو جاوے ٭ اگر عقدے کھلیں تسبیح کے زنار ہو جاوے
تری آنکھیں دکھا دیجے تو نرگس مست ہو جاوے ٭ اگر دیکھے یہ قامت سرو گلشن پست ہو جاوے
نالہ ہے سو نے اثر اور آہ نے تاثیر ہے ٭ سنگدل کیا تجکو کہیے اپنی ہی تقدیر ہے
تجھ بن کہوں کیا تجھ سے کس طرح کٹے ہے ٭ نے دن ہی نبڑتا ہے نہ یاں رات کٹے ہے
کیجیے کیا؟ آہ! کدھر جائیے ٭ چھوٹیے اس دکھ سے جو مر جائیے
اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے ٭ سانس ہے یا کہ پھانس کھٹکے ہے
مشابہ کوئی ان آنکھوں سے کم ہے ٭ یہ نرگس ہے سو مرفوع القلم ہے
عبث دل بیکسی اپنی پہ تو ہر وقت روتا ہے ٭ نہ کر غم اے دوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے
بت پرستی ہے اب نہ بت شکنی ٭ کہ ہمیں تو خدا سے آن بنی
نہیں ہے بے سبب خندۂ دنداں نما ہر دم ٭ کسو کے تو لہو پینے پہ یعنی دانت رکھتا ہے
زبس درد جدائی نے تری بندوں کو مارا ہے ٭ اگر آزار بھی ہوتا ہے تو وجع مفاصل ہے

دیکھ کر رخسار تیرے کی صفا	آئینہ کی یاں اکھڑتی ہی قلعی

رباعیات متفرق

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا	یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینہ کب تلک پریشاں نظری	اب موند لے آنکھ بس جہاں کو دیکھا
دیکھا ہی میں نے زندگی کا جب سے سپنا	جلنا ہی سدا ہی مجھکو نت ہی کھپنا
تقصیر معاف تب ہی ہو گی ای درد	جوں شمع کروں گا جب قلم موس اپنا
ای درد یہ کون صبر کو لوٹ گیا	یوں تجھ سے جو ضبط یک بیک چھوٹ گیا
کیا تجھ پہ مصیبت پڑی ایسی ظالم	کہہ تو سہی جی ڈھا کر دل ٹوٹ گیا
عاشق تجھ کو جو گھر نہ پاتا ہو گا	کیا کیا کچھ دل میں اس کے آتا ہو گا
اور دن سے بھی تجھکو تو خوشی حاصل ہی	تیرا جی ووں بھی بہل جاتا ہو گا
پیدا کرے ہر چند تقدس بندا	مشکل ہی کہ ہو حرص سے دل برکندا
جنت میں بھی اکل و شرب سے کب ہی نجات	دوزخ کا بہشت میں بھی ہو گا دھندا
ای درد یہ پیکھنا جو آکر دیکھا	کچھ تو ہی بتا کہ دل لگا کر دیکھا
مانند مژہ اٹھ گئی صف کی صف ہی	ہم نے تو جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھا

ہم نے بھی کبھو جام و سبو دیکھا تھا
اُن باتوں کو اب جو غور کریئے اے دردؔ
جو کچھ کہ نہیں ہے روبرو دیکھا تھا
کچھ خواب سا تھا کہ وہ کبھو دیکھا تھا

سوند آنکھ سدا کب تئیں دن ٹالیے گا
اے دردؔ مراقبہ تو کرتے ہو ولے
غفلت کے تئیں بغل میں یوں پالیے گا
ٹک اپنے گریباں میں بھی سر ڈالیے گا

کس کا کون کیا کسو سے کہنا
گزرے ہے اب اس طرح سے اپنی اے دردؔ
اپنا اپنا ہر ایک کا ہے لہنا
رونا چپکے پڑے اکیلے رہنا

یارب مقصود خلق کیا میں ہی تھا
کچھ کام ظہور میں نہ آیا مجھ سے
ایسا تجھے جہان میں یا میں ہی تھا
بس تجھ کو یہ مجھ سے مدعا میں ہی تھا

آرام نہ دن کو نے قراری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھو
نے رات کو چین آہ و زاری کے سبب
یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

کیا فائدہ گر باز ہے یاں دیدۂ سر
جوں آئینہ ہر چند کھلی آنکھ ولے
نت پردۂ چشم دل ہے کوری دگر
آتا ہے نظر میں عیب اپنا جوہر

یوں دیکھ کے اپنے غم سے مجبور نجور
اتنا بھی نہ مر کوئی دنوں جیتا رہ
کہتا ہے سمجھ تو بھی گر کچھ ہے شعور
ملنا ہے تجھے پھر بھی جو مجھ سے منظور

اے دردؔ اگرچہ کہ میں ہے جوش و خروش
رہتے ہیں وے اہل تامل خاموش

موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں
گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش

اے درد یہ دردجی سے کھونا معلوم
جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن
میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم

اے درد بہت کیا پر دیکھا ہم نیں
دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا ہم نیں
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کو
جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نیں

غم کھاتے ہیں اور آنسو پیتے ہیں
دن رات مجھے عجب طرح بیتے ہیں
گزرے ہے جو کچھ کہ گزرے ہے کیا کہیے
پر کھٹکی یہ کہ اب تلک جیتے ہیں

جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں
ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں
اس علم کی انتہا سمجھنا آگے
اے درد ابھی تو نام حق پڑھتا ہوں

اے درد سبھوں سے برملا کہتا ہوں
توحید نہیں چھپا چھپا کہتا ہوں
ملا کو بھی کچھ اس میں نہیں ہے انکار
بندہ بندہ خدا خدا کہتا ہوں

دریا پہ عبث جائے ہے ساقی سے کہو
لے آئنہ دیکھ ظالم اس عالم کو
آنکھیں تری یوں نشے سے جاتی ہیں چڑھی
جوں کشتی چڑھاؤ پہ کھنچی جاتی ہو

کی بہت طریق زہد میں عمر تباہ
اب کیجیے دل کو معرفت سے آگاہ
جوں کوچۂ مسواک اسی میں دیکھا
کوچہ ہے یہ سربستہ نہیں اس میں راہ

کب جس میں ہو دنیا کی طلب ۔ بیٹھ سکے
تسکین ۔ شہودِ حق سے ہوتی ہی نصیب
جس دل میں ہوس بھری ہو کب بیٹھ سکے
اُٹھ جائے نظر سے خلق تب بیٹھ سکے

مت پوچھ کہ میں نے عمر کیونکر کاٹی
کس واسطے چاہیے پرکھا اتنا
جس طرح سے کٹ گئی یہ دوں کر کاٹی
دو روز کی زندگی ہی جوں کر کاٹی

ہر بت کے لیے کب تئیں مرتے رہیے
اب دردؔ جو کچھ کہ زندگی باقی ہی
کب تک یہ کفر دل میں بھرتے رہیے
اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیے

ای بحرِ علوم سب کو باری باری
تا حشر تری مریدی و پیری کا
ہی تجھ سے ہی اب حصولِ فیضِ باری
جوں موج یہ سلسلہ رہے گا جاری

آزادیِ معرفت نے ای دردؔ کبھی
کیوں اتنی اٹک ہی ہی اب قیدِ حیات
عقدہ نہ کیا قبول ۔ جی پر کوئی
یہ بھی جو گرہ سی ہی سو کھل جائے کبھی

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
ای دردؔ کہاں ہی زندگانی اپنی
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

یا اُس نے ہی کچھ رسمِ تغافل کم کی
رونے کو مرے تھمے ہی وہ نظروں میں
تاثیر پڑی ہی یا کہ اپنے غم کی
اس گوہرِ اشک کی بھی رتی چمکی

تیرے لیے درد کو کسی سے نہ بنی
یہ خانہ خراب رفتہ رفتہ آخر
بہتیروں نے چاہا پہ سبھی سے نہ بنی
ایسا بگڑا کہ اپنے جی سے نہ بنی

جوں کال سے یاں تال کی پیدائی ہی
دیکھی تنزیہ اور تشبیہ تمام
وہاں تال سے کال کی شناسائی ہی
وہ اس کے یہ اس کے یوں ہی کام آئی ہی

کچھ آپ ہی گرا کے کچھ آپ ہی چنتا ہی
ای درد ہمیشہ یہ دل دیوانہ
کہتا ہی کچھ آپ آپ ہی سنتا ہی
کیا کچھ ادھیڑتا ہی اور بنتا ہی

عاشق ہوے جس کے اس کے محبوب بنے
تس پر بھی جو کچھ بنی سو دیکھی تم نے
دلخواہ سب اس کے ساتھ مطلوب بنے
بس درد خدا سے اب تمھیں خوب بنے

رباعی مستزاد

ای درد شب قدر ہی زلف سیاہ
گر دل سے ہی راہ
ہر خط میں لکھی ہوئی ہیں آیات الٰہ
کر ٹک تو نگاہ
جوں آئنہ حیران ہوں میں سر تا پا
ہی عشق گواہ
آتا ہی نظر حسن میں جلوہ کیا کیا
اللہ اللہ

گر شوق ہی جی میں حق کے پہچاننے کا
ابرام کرو
کہتا ہوں سخن چھوٹا سا پر ماننے کا
اک کام کرو

ہی غیر اگر تم میں تو لازم ہی تمھیں اور تم ہی ہو تو فائدہ کیا جاننے کا	پہچانو اُسے آرام کرو
کیسی تم کو بھاوت ہیں اور کیسی تو سکھ پاوت ہیں کلیاں من میں سوچت ہیں پھول کوئی کھلاوت ہیں	پھلواری دیکھت ہیں کچھ اور سمود کھلاوت ہیں جو دن واکو بیت گیو ہے وا دن مونکو آوت ہیں

مخمسات

باطن سے جنھوں کے تئیں خبر ہی
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہی
ظاہر پہ انھیں تو کب نظر ہی
اس آگ سے سوختہ جگر ہی
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہی

خاموش ہو ترک گفتگو کر
حیرت میں وصال آرزو کر
باطن کے صفا کی جستجو کر
آئینۂ دل کو روبرو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہی

ہستی نے کیا ہی گرم بازار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار
لیکن ہی یہاں نگاہ درکار
آہستہ گزر میان کہسار
ہر سنگ دکان شیشہ گر ہی

دیدار نما ہی شاہد گل
جب دل نے مرے کیا تامل
اور زلف کشا عروس سنبل
تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہی

نزدیک و بعید ہی برابر
مت ہو ومِ یاس سے مکدر

آئینۂ وہم ہی سراسر
مانندِ نگہ نکل تو باہر
تیرے تئیں تجھ تلک سفر ہی

ہر عجز میں کبریا ہی محجوب
کوئی نہیں ہی جہاں میں معیوب
ہر نقص سے ہی کمال مطلوب
آگے ہیں مری نظر میں سب خوب
گر عیب ہی پردۂ ہنر ہی

ای درد رموز کبریائی
نے عجز نہیں ہی واں رسائی
کب تجھ سے ہی زاہد ریائی
ہی مجھکو جہاں یہ پر کشائی
پرواز شکست بال و پر ہی

دیگر

ہم وحشیوں کے دل میں کچھ اور ہی امنگ ہی
ان گم شدوں کے آگے تو عنقا بھی ننگ ہی
وحشت بھری ہی اور ہی اور ہی ترنگ ہی
اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہی
لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہی

نے فکرِ صبح کی نہ غمِ شام تھا ہمیں
جب تک عدم میں تھے عجب آرام تھا ہمیں
نے شوقِ بادہ تھا نہ سرِ جام تھا ہمیں
اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
ای نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہی

نے یاں ہوائے آب ہی نے حرص نان کی
زاہد یہ باتیں سب ہیں ترے امتحان کی
نے دہشتِ سقر نہ ہوس ہی جنان کی
فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی
خطرہ جو ہی سو آئنۂ دل پہ زنگ ہی

دیگر

کسی قیمت میں اس کے پاس نقدِ دین کو لاے
ہمیں یہ سوچ ہی وہ خود فروش ایدھر اگر آے
کئی دنیا دکھاتے ہیں کہ یوں سودا یہ بن جاے
براہِ او چہ در بازیم نے دینے نہ دنیاے

وے داریم واندوہے سرے داریم وسودائے

گمران سے وقوفوں نے محبت سہل جانی تھے — ہوس کرتا ہے تیرے عشق کی ہر ایک نیک و بد
وے شیدائے سرکش تو یوں گرمی کرے ہے کد — بنازم چشم دغت را عجب بینائیے دارد

بغیر از سینہ پاکاں ندیدم خوش کند جائے

دیگر

ستاتی ہے مجھے ہر لحظہ کج ادائی دوست — کرے ہے دشمنی اب مجھ سے آشنائی دوست
بڑھی ہے اور طرف جا کے دلربائی دوست — پہ تو بھی دل میں ہے میرے وہی صفائی دوست

وفا مری نہیں دیکھے ہے بیوفائی دوست

مجھے تو نزع میں گذرا ہے صبح سے تا شام — پھر اب جو شام ہوئی صبح تک کسے آرام
غرض کہ مجھ کو ہوئی زندگانی تلخ تمام — کہے ہے سن کے مرا حال وہ مجھے کیا کام

نگاہ کیجیو تاک رنگ نے وفائی دوست

ترکیب بند

شاہنشہ ملک کفر و دین تو — ہے تخت نشین دل نشین تو
ہوں لفظ بمعنی آشنا میں — ہے معنی لفظ آفرین تو
ہے زیور دست غیب ہر جا — انگشت نما ہے جوں نگین تو
کافر ہوں نہ ہوں جو کافر عشق — ہے ناز بتان نازنین تو
دشمن ہے کہاں کدھر کو ہے دوست — ہے گرمی بزم مہر و کین تو
ویرانی وادی گمان تو — آبادی خانہ یقین تو
ہیہات جہاں یہ کور چشماں — ڈھونڈھیں ہیں تجھے تو ہے نہیں تو

کرتا ہی یہ کون دیدہ بازی
تو ہی تو ہی دل کی بے حجابی

گر روشنی نظر نہیں تو
ہی پردۂ چشم سرگین تو

معشوق ہی تو ہی، تو ہی عاشق
عذرا ہی کدھر کہاں ہی وامق

میں منتظر دمِ صبا ہوں
اک عمر گزر گئی سب سمجھتے
تنکا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے
بیگانہ جو مجھ سے وہ پھرے ہی
موجود نہ بوجھے کچھ وہ کافر
اپنی تو نہ کھوئی تیرہ بختی
سنے دل تو نہ کرنے مجھے سجھ ٹک
مشکل ہی نے مجھے کہیں رسائی
پائی نہ گل وفا کی بو بھی

جوں غنچہ گرفتہ دل بنا ہوں
معلوم کیا نہ میں نے کیا ہوں
شرمندۂ جذب کہربا ہوں
تقصیر یہ ہی کہ آشنا ہوں
گر آوے خدا بھی میں تو کیا ہوں
ہر چند کہ سایۂ ہما ہوں
میں ہی تو بساط میں رہا ہوں
کوتاہی طبعِ نارسا ہوں
اس باغ میں جا بجا پھرا ہوں

آئندہ نہ کیجیے محبت
دُنیا ہی نپٹ ہی جائے عبرت

میرے دمِ سرد سے نہیں دور
ہوں داغ میں زخم دل کے ہاتھوں

خورشید اگر ہو قرص کافور
بہتا ہی رہا سدا یہ ناسور

پوچھے کوئی جس کی بات مجھ سے — کرتا ہے مجھے ترا ہی مذکور
ہے غم یہ ترا کہ روز و شب یوں — رکھتا ہے ہمارے دل کو معمور
ایذا میں ہے دیکھ کیا حلاوت — نے نوش نہیں ہے نیشِ زنبور
ہاں کھولیو تو سمجھ کے آنکھیں — شمعِ مجلس ہے شعلۂ طور
اتنا نہ ہوا ہیں اڑ سلیماں — کچھ تخت سے کم نہیں پرِ مور
قائل نہیں اختیار کا میں — بندہ ہے سمجھ میں اپنی مجبور
تو عشق کے رنگ سیر کر ٹک — واصل ہے کوئی کوئی ہے مہجور

پروانہ و شمع مل گئے یوں
ہیں بلبل و گل جدا جدا یوں

اس زیست کا اعتبار کیا ہے — کوئی دم میں یہ زندگی ہوا ہے
گزرا ہے نظر سے ایک عالم — یہ چشم نہیں ہے نقشِ پا ہے
ظالم ٹک ادھر تو دیکھ لے تو — کوئی پل میں خدا ہی جانے کیا ہے
ڈھانا تو ہے دل کے تئیں و لیکن — تو جان یہ خانۂ خدا ہے
ہے دیدِ فنا ہی حاصلِ چشم — عقدہ یہ حباب پر کھلا ہے
ظاہر ہے تجھی سے تو یہ عالم — تو مجھکو بتا کہیں چھپا ہے
دنیا سے امیدِ پاسداری — یہ وہم ترا کدھر گیا ہے
جوں آئنہ منہ کسی سے مت پھیر — تیرے دل میں اگر صفا ہے
کچھ پائی خبر نہ میں نے دل کی — کس کے وہ خیال میں گیا ہے
ہے میرے تئیں سراغ دل کا — پھرتا ہوں لیے یہ داغ دل کا

مت کہہ کہ فلک میں ہیں بُرے ڈھنگ
کس کا ہی سمجھ تو ٹک یہ نیرنگ
ای رشک بہار ہی تجھی سے
یہ روے زمیں پہ آب و رنگ
برعکس سمجھ صفا کو اُس کی
آئینہ کے دل میں ہی بھرا زنگ
ای شیشہ گراں نہیں یہ مینا
پگھلا ہی شراب پر دل سنگ
کرتا ہی تو صلح غیر سے تو
ہم سے ہی مگر ارادۂ جنگ
حیرت کا مری تو یہ اثر ہی
وہ بھی سبھے مجھے دیکھ رہ گیا دنگ
میں پہونچوں خیال کی طرح واں
گر مجھ سے ہو تو ہزار فرسنگ
کرتا ہی پہ دل تو روز نالے
ہی نَے سے زیادہ تر خوش آہنگ
میں غنچۂ دل گرفتۂ دل
تو عقدہ کشاے خاطرِ تنگ

جوں زخم نہ مجھے شگفتہ دل رکھ
مت تیغ سے اپنی منفعل رکھ

عاشق ہی اور اضطرار کرنا
اک جا نہ کہیں قرار کرنا
ہم بھی ہیں اُمیدوار بو کے
ایدھر بھی صبا گزار کرنا
ای عشق قسم ہی قتل گہ میں
پہلے تو ادھر ہی وار کرنا
دل اُس کی گلی کو جب چلے تو
میرا بھی ٹک انتظار کرنا
مینا کو نہ توڑ محتسب تو
میرے تئیں سنگسار کرنا
ظالم ہیں تری یہ چشمِ قاتل
عاشق سے اُنھیں نہ چار کرنا
ہو میرے سوا یہ کس سے ناحق
اپنے تئیں یوں نزار کرنا
ای وعدہ خلاف کب تلک یہ
بے فائدہ انتظار کرنا

آشفتہ دلوں کو مت ستانا ‏ زلفوں ہیں نہ شانہ پارہ کرنا

وابستہ ہے اُن سے مو بمو دل
مت ٹوٹ پڑے کوئی کبھو دل

مدّت نہیں عشق دل پہ ور تھا
دیکھا تو عبث کا دردِ سر تھا

آنکھوں نے جدھر کی نیزہ بازی
تھا دل ہی مرا کہ واں سپر تھا

زخمی نہ بچا تری نگہ کا
جو زخم تھا سو وہ کارگر تھا

ہو سامنے کون اُس مژہ کے
میرا ہی تو یہ دل و جگر تھا

پوچھا ہیں کہ دل کو کیوں اُجاڑا
کہنے لگا خوب اپنا گھر تھا

ہیں ہم بھی صبا ترے تو ہمراہ
مدّت سے ارادۂ سفر تھا

اے نالہ پھرے ہے کیوں بھٹکتا
تجھ میں بھی کبھو تو کچھ اثر تھا

کیوں ردّ و قبول میں ہے جھگڑا
مجھ میں نہ تو عیب نے ہنر تھا

اے درد جہاں کہیں میں دیکھا
وہ یار مرا ہی جلوہ گر تھا

خاموش ہو مت جتا کسو کو
آتا ہے نظر خدا کسو کو

تمام شد

(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)

زیر نگرانی محمد احمید الدین لیتھوگرافر سند یافتہ
لندن
نظامی پریس بدایوں میں طبع ہوا
نظام الدین حسین پرنٹر و پبلشر